نمرہ احمد

فارس غازی انٹیلی جنس کے اعلا عہدے پر فائز ہے۔ وہ اپنے سوتیلے بھائی وارث غازی اور اپنی بیوی کے قتل کے الزام میں چار سال سے جیل میں قید ہے۔ سعدی یوسف اس کا بھانجا ہے۔ جو اس سے جیل میں ہر ہفتے ملنے آتا ہے۔

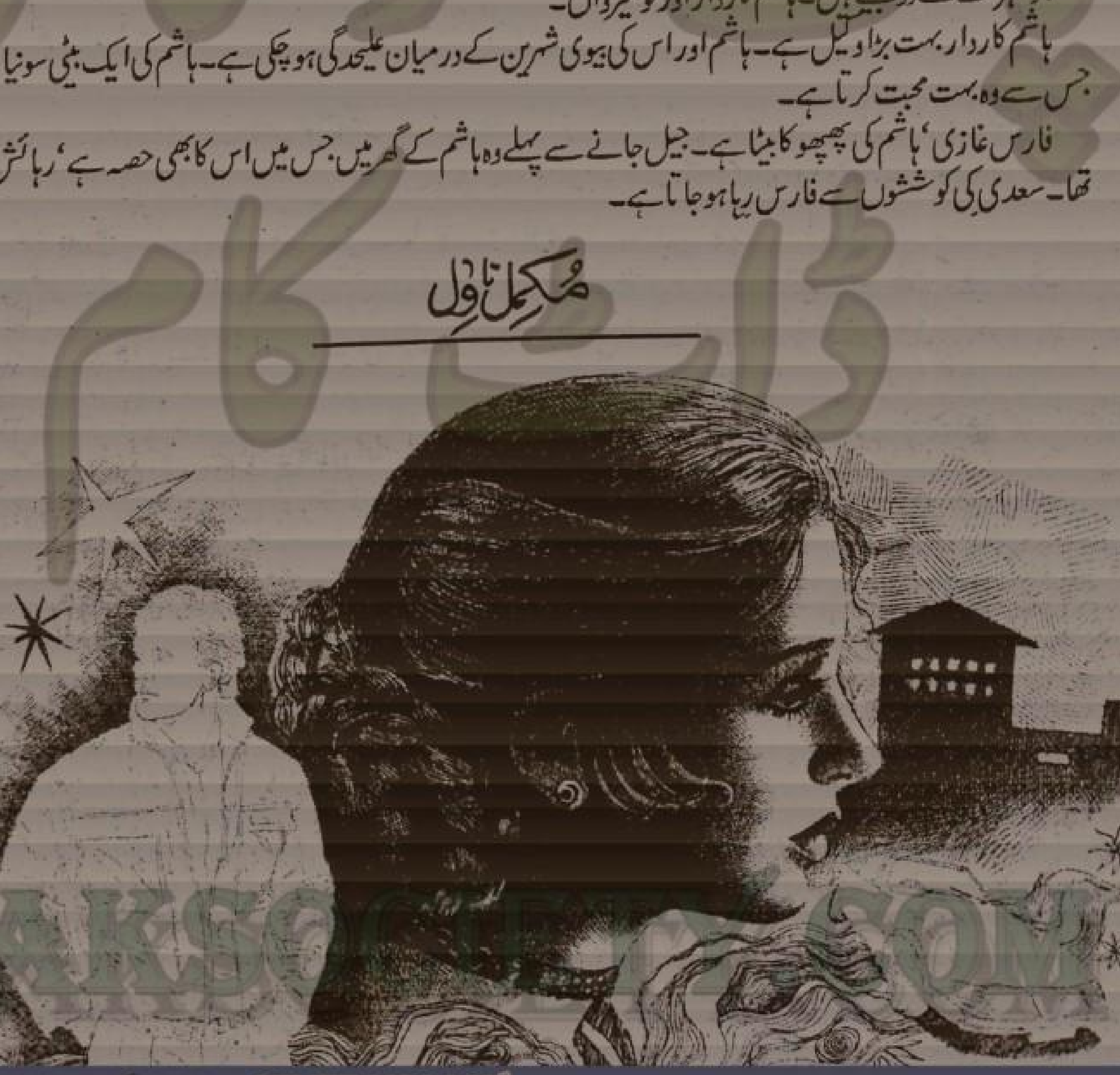
سعدی یوسف تین بہن بھائی ہیں' ان کے والد کا انتقال ہو چکا ہے۔ حنین اور اسامہ' سعدی سے چھوٹے ہیں۔ ان کی والدہ ایک چھوٹا سا ریسٹورنٹ چلاتی ہیں۔ زمر' سعدی کی پھپھو ہے۔ وہ چار سال قبل فائرنگ کے ایک واقعہ میں زخمی ہو جاتی ہے۔ فائرنگ کا الزام فارس غازی پر ہے۔ فارس غازی کو شک تھا کہ اس کی بیوی اس کے بھائی کے ساتھ انوالو ہے۔ اس نے جب فائرنگ کی تو زمر اس کی بیوی کے ساتھ تھی۔ فائرنگ کے نتیجہ میں بیوی مر جاتی ہے اور زمر شدید زخمی ہو جاتی ہے۔ ایک انگریز عورت اپنا گردہ دے کر اس کی جان بچاتی ہے۔ سعدی کو یقین ہے کہ اس کا ماموں بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا گیا ہے۔ اس لیے وہ اسے بچانے کی کوشش کرتا ہے' جس کی بنا پر زمر اپنے بھتیجے سعدی یوسف سے بدظن ہو جاتی ہے۔ بدظن ہونے کی ایک اور بڑی وجہ یہ ہے کہ زمر جب موت و زندگی کی کشمکش میں ہوتی ہے تو سعدی اس کے پاس نہیں ہوتا۔ وہ اپنی پڑھائی اور امتحان میں مصروف ہوتا ہے۔

جواہرات کے دو بیٹے ہیں۔ ہاشم کاردار اور نوشیرواں۔

ہاشم کاردار بہت بڑا وکیل ہے۔ ہاشم اور اس کی بیوی شہرین کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے۔ ہاشم کی ایک بیٹی سونیا ہے۔ جس سے وہ بہت محبت کرتا ہے۔

فارس غازی' ہاشم کی پھپھو کا بیٹا ہے۔ جیل جانے سے پہلے وہ ہاشم کے گھر میں جس میں اس کا بھی حصہ ہے' رہائش پذیر تھا۔ سعدی کی کوششوں سے فارس رہا ہو جاتا ہے۔

مکمل ناول





والد کے کہنے پر زمر سعدی کی سالگرہ پر اس کے لیے پھول اور ہاشم کی بیٹی سونیا کی سالگرہ کا کارڈ لے کر جاتی ہے۔ سعدی ہاشم کی بیوی سے ہاشم کے لیپ ٹاپ کا پاس ورڈ مانگتا ہے۔ شہرین اپنے دیور نوشیراں سے 'جو اپنی بھابھی میں دلچسپی رکھتا ہے' بہانے سے پاس ورڈ حاصل کرکے سعدی کو سونیا کی سالگرہ میں دے دیتی ہے۔

پاس ورڈ ملنے کے بعد سعدی ہاشم کے کمرے میں جاکر اس کے لیپ ٹاپ پہ فلیش ڈرائیو لگا کر ڈیٹا کاپی کرنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

چیف سیکریٹری آفیسر خاور' ہاشم کو اس کے کمرے کی فوٹیج دکھاتا ہے' جس میں سعدی کمرے میں جاتے ہوئے نظر آتا ہے' ہاشم خاور کے ساتھ بھاگتا ہوا کمرے میں پہنچتا ہے' لیکن سعدی اس سے پہلے ہی وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمرے میں لیپ ٹاپ سے ڈیٹا کاپی کرنے آیا تھا اور شہرین نے نوشیرواں کو استعمال کرکے پاس ورڈ سعدی کو دیا تھا۔ دوسری جانب بڑے ابا زمر کو یہ بتا دیتے ہیں کہ زمر کو کسی یورپین خاتون نے نہیں بلکہ سعدی نے گردہ دیا تھا۔ یہ سن کر زمر کو بے حد دکھ ہوتا ہے۔

نوشیرواں ایک بار پھر ڈرگز لینے لگتا ہے اس بات پر جواہرات فکر مند ہے۔

بعد میں سعدی لیپ ٹاپ پہ فائلز کھولنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فائلز ڈیمج ہوجاتی ہیں۔

سعدی حنین کو بتاتا ہے کہ وہ گیم کے ہائی اسکورز کی فہرست میں پہلے نمبر پر نہیں ہے' حنین حیران ہوکر اپنی گیم والی سائٹ کھول کر دیکھتی ہے تو پہلے نمبر "آنس ایور آفٹر" لکھا ہوتا ہے۔ وہ علیشا ہے ورجینیا سے۔ حنین کی علیشا سے دوستی ہوجاتی ہے۔

اب کہانی ماضی میں آگے بڑھ رہی ہے۔ فارس' زمر سے لاء کی کچھ کلاسز لیتا ہے۔ ندرت اس سے شادی کا پوچھتی ہیں۔ وہ لاپروائی سے زمر کا نام لے لیتا ہے۔ ندرت خوش ہوکر ابا سے بات کرتی ہیں۔ ان کی ساس فارس کو اجڈ اور بدتمیز سمجھتی ہیں اور اس کے مقابلے میں فہد سے زمر کی بات طے کردیتی ہیں۔ وارث غازی' ہاشم کے خلاف منی لانڈرنگ کیس کے پر کام کررہا ہے۔ اس کے پاس مکمل ثبوت ہیں۔ اس کا باس فاطمی ہاشم کو خبردار کردیتا ہے۔ ہاشم' خاور کی ڈیوٹی لگاتا ہے کہ وہ وارث کے پاس موجود تمام شواہد ضایع کرے۔ وارث کے ہاسٹل کے کمرے میں خاور اپنا کام کررہا ہے۔ جب وارث ریڈ سگنلز ملنے پر اپنے کمرے میں جاتا ہے۔ پھر کوئی راستہ نہ ہونے کی صورت میں' بہت مجبور ہوکر ہاشم' خاور کو وارث کو مار دینے کی اجازت دے دیتا ہے۔ دوسری صورت میں وارث' فارس کو وہ سارے شواہد میل کردیتا۔ وارث کے قتل کا الزام ہاشم' فارس پہ ڈلواتا ہے۔

زرتاشہ کو قتل اور زمر کو زخمی کرنا بھی فارس کو وارث کے قتل کے الزام میں پھنسانے کی ہاشم اور خاور کی منصوبہ بندی ہوتی ہے۔ وہ دونوں کامیاب ٹھہرتے ہیں۔' زرتاشہ مرجاتی ہے۔ زمر زخمی حالت میں فارس کے خلاف بیان دیتی ہے۔ فارس جیل چلا جاتا ہے۔ سعدی زمر کو سمجھاتا ہے کہ فارس ایسا نہیں کرسکتا۔ اسے غلط فہمی ہوئی ہے۔ زمر کہتی ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتی اور اپنے بیان پر قائم رہتی ہے۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہوجاتے ہیں۔ زمر کی ناراضی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے کہ وارث کے قتل کے وقت بھی اس کی شادی لیٹ ہوجاتی ہے اور وہ اپنی شادی روک کر فارس کے لیے مقدمہ لڑتی ہے۔ اب وہی شخص اپنے اس قتل کو چھپانے کے لیے اسے مارنا چاہتا ہے۔ وہ بظاہر اتفاقاً" بچ جاتی ہے مگر اس کے دونوں گردے ضائع ہوجاتے ہیں۔ اور اس حادثے کی صورت اس کی شادی ٹوٹ جاتی ہے۔

حنین کی نیٹ فرینڈ علیشا دراصل اورنگ زیب کی بیٹی ہے جسے وہ اور ہاشم تسلیم نہیں کرتے۔ وہ باقاعدہ منصوبہ بندی کرکے حنین سے دوستی کرتی ہے اور پڑھائی کے لیے کاردار سے پیسے کے لیے غیر قانونی پاکستان آتی ہے۔ مگر ہاشم اس سے بہت برے طریقے سے پیش آتا ہے اور کوئی مدد نہیں کرتا۔ زرتاشہ اور زمر کے قتل کے وقت فارس اور حنین وارث کیس کی اپیل بائی کے سلسلے میں علیشا کے پاس ہی ہوتے ہیں' مگر علیشا ہاشم کی وجہ سے کھل کر ان کی مدد کرنے سے قاصر ہے۔

زمر فیصلہ کرچکی تھی کہ وہ فارس کے خلاف بیان دے گی۔ گھر میں اس فیصلے سے کوئی بھی خوش نہیں' جس کی بنا پر زمر کو

دکھ ہوتا ہے۔

جواہرات' زمر سے ملنے آتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ فارس کے خلاف بیان دے۔ وہ زمر کے ساتھ ہے' اسی وقت زمر کا منگیتر اس کو دیکھنے آتا ہے۔ اس کی ہونے والی ساس یہ رشتہ ختم کرنا چاہتی ہے۔ جواہرات اس کے منگیتر کو اپنی گاڑی میں بٹھا لیتی ہے اور اسے آسٹریلیا بھجوانے کی آفر کرتی ہے۔

سعدی' فارس سے ملنے جاتا ہے تو وہ کہتا ہے ہاشم اس قسم کا آدمی ہے جو قتل بھی کر سکتا ہے اور وہ فارس سے مخلص نہیں ہے۔

سعدی کو پتا چلتا ہے کہ اسے اسکالر شپ نہیں ملا تھا۔ زمر نے اپنا پلاٹ بیچ کر اس کو باہر پڑھنے کے لیے رقم دی تھی۔ اسے بہت دکھ ہتا ہے۔

زمر کو کوئی گردہ دینے والا نہیں ملتا تو سعدی اسے اپنا گردہ دے دیتا ہے۔ وہ یہ بات زمر کو نہیں بتاتا۔ زمر بد گمان ہو جاتی ہے کہ سعدی اس کو اس حال میں چھوڑ کر اپنا امتحان دینے ملک سے باہر چلا گیا۔

سعدی' علیشا کو راضی کر لیتا ہے کہ وہ یہ کہے گی کہ وہ اپنا گردہ زمر کو دے رہی ہے' کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر زمر کو پتا چل گیا کہ گردہ سعدی نے دیا ہے تو وہ کبھی سعدی سے گردہ لینے پر رضامند نہیں ہو گی۔

ہاشم حنین کو بتا دیتا ہے کہ علیشا نے اورنگ زیب کاردار تک پہنچنے کے لیے حنین کو ذریعہ بنایا ہے۔ حنین اس بات پر علیشا سے ناراض ہو جاتی ہے۔

ہاشم' علیشا کو دھمکی دیتا ہے کہ وہ اس کی ماں کا ایکسیڈنٹ کروا چکا ہے اور وہ اسپتال میں ہے۔ وہ علیشا کو بھی مروا سکتا ہے۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ وہ اور اس کی ماں بھی امریکن شہری ہیں۔

جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ زمر کا منگیتر حماد شادی کر رہا ہے۔

فارس کہتا ہے کہ وہ ایک بار زمر سے مل کر اس کو بتانا چاہتا ہے کہ وہ بے گناہ ہے۔ اسے پھنسایا جا رہا ہے۔ وہ ہاشم پر بھی شبہ ظاہر کرتا ہے' لیکن زمر اس سے نہیں ملتی۔

ہاشم کو پتا چل جاتا ہے کہ سعدی اس کے کمپیوٹر سے ڈیٹا چرا کر لے جا چکا ہے۔ وہ جواہرات سے کہتا ہے کہ زمر کی شادی فارس سے کرانے میں خطرہ ہے' کہیں وہ جان نہ جائے کہ فارس بے گناہ ہے' لیکن وہ مطمئن ہے۔ جواہرات' زمر کو بتاتی ہے کہ فارس نے اس کے لیے رشتہ بھجوایا تھا' جسے انکار کر دیا گیا تھا۔ زمر کو یقین ہو جاتا ہے کہ فارس نے اسی بات کا بدلہ لیا ہے۔ زمر' جواہرات کے اکسانے پر صرف فارس سے بدلہ لینے کے لیے اس سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے۔

ڈیڑھ ماہ قبل ایک واقعہ ہوا تھا جس سے سعدی کو پتا چلا کہ ہاشم مجرم ہے۔

ہوا کچھ یوں تھا کہ نوشیرواں نے ایک ڈراما کیا تھا کہ وہ کوریا میں ہے اور اغوا ہو چکا ہے۔ تاوان نہ دیا گیا تو وہ لوگ اس کو مار دیں گے۔

ہاشم' حنین اور سعدی کو آدھی رات کو گھر بلاتا ہے اور ساری سچویشن بتا کر اس سے پوچھتا ہے' کیا اس میں علیشا کا ہاتھ ہو سکتا ہے۔

وہ حنین سے کہتا ہے کہ تم اس کے بارے میں پتا کرو۔ حنین کمپیوٹر سنبھال لیتی ہے۔ سعدی اس کے ساتھ بیٹھا ہوتا ہے۔ تب ہی ہاشم آکر اپنا سیف کھولتا ہے تو سعدی کی نظر پڑتی ہے۔ اس کو جو کچھ نظر آتا ہے۔ اس سے اس کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔

اس میں وارث کی بیٹیوں کی تصویر ہوتی ہے۔ جو وارث ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ وہ ہاشم کے سیف کا کوڈ آئینے میں دیکھ لیتا ہے اور کمرے سے اس کے جانے کے بعد سیف کھولتا ہے۔ اس سے ایک لفافہ ملتا ہے' جس میں اس ریسٹورنٹ میں فائرنگ کے فوراً" بعد کی تصویر ہوتی ہے' جس میں زمر خون میں لت پت نظر آتی ہے اور ایک فلیش ڈرائیو بھی ملتی ہے۔

تب اسے پتا چلتا ہے کہ ہاشم مخلص نہیں تھا۔ یہ قتل اسی نے کرایا تھا۔

حنین، نوشیرواں کی پول کھول دیتی ہے، وہ کہتی ہے کہ نوشیرواں پاکستان میں ہی ہے اور اس نے پیسے اینٹھنے کے لیے اغوا کا ڈراما رچایا۔

سعدی وہ فلیش سنتا ہے تو سن رہ جاتا ہے۔ وہ فارس کی آواز کی ریکارڈنگ ہوتی ہے۔ جس میں وہ زمر کو دھمکی دیتا ہے۔

سعدی بار بار سنتا ہے تو اسے اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ جعلی ہے۔ وہ فارس کے وکیل کو فارغ کر دیتا ہے۔ جو ہاشم کا آدمی تھا۔

سعدی، زمر کے پاس ایک بار پھر جاتا ہے اور اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ فارس بے گناہ ہے۔ وہ کہتا ہے اس میں کوئی تیسرا آدمی بھی ملوث ہو سکتا ہے۔

"مثلاً "کون؟" زمر نے پوچھا۔

"مثلاً"... مثلاً "ہاشم کا کردار..." سعدی نے ہمت کر کے کہہ ڈالا۔ زمر سن سی ہو گئی۔

نویں قسط

"ہاشم کا کردار؟" زمر کو شاک سے نکلنے میں چند لمحے لگے اور پھر ایک دم آنکھوں میں ناگواری ابھر آئی۔

"اس کا نام کیسے لے سکتے ہو تم؟"

"وہ ان کے کزن ہیں۔ پھر جائیداد کے تنازعے! وہ فارس غازی کو اس میں پھنسا سکتے ہیں، اس سے ان کو فائدہ ہو گا، نقصان نہیں۔"

"اوکے، سعدی! بہت ہو گیا۔" ٹانگ پہ رکھی دوسری ٹانگ سیدھی کی اور درشتی سے کہتی آگے کو ہوئی۔ "میں یہ ڈیفنس اسٹریٹجی بہت دفعہ کورٹ میں استعمال کر چکی ہوں۔ جب اپنے دفاع میں کوئی بات نہ ہو تو کسی تیسرے شخص پہ شک دلوا دو۔ مگر کیا تمہارے پاس کوئی ثبوت ہے؟"

سعدی کی گردن نفی میں ہلی۔ (کیا اس آڈیو اور ان تصاویر کا ہاشم کے کمپیوٹر سے ملنا ایسا ثبوت تھا جسے وہ پیش کر سکے؟ ہرگز نہیں۔)

"پھر تم کیسے کسی پہ اتنا بڑا الزام لگا سکتے ہو؟ فارس کے خلاف میری گواہی کو چھوڑ دو تب بھی ثبوت ہیں۔ اس کی گن، اس کے فنگر پرنٹس۔ تم مجھے اس سے بڑے ثبوت ہاشم یا کسی اور کے خلاف لا کر دو، میں تمہاری بات سنوں گی، مگر اس سے پہلے نہیں۔" تلخی سے بولتی وہ کھڑی ہو گئی۔ سعدی نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ اکتائی ہوئی لگ رہی تھی۔

"تو آپ ڈھائی سال سے ہماری بات اس لیے نہیں سن رہیں، کیوں کہ ہم ثبوت نہیں دے رہے؟"

"اگر مجھے جھوٹا کہنے کے بجائے کچھ کہتے تو میں سنتی۔"

"آپ اپنی جگہ ٹھیک ہیں۔" سر ہلا کر وہ کھڑا ہوا۔ چند لمحے دونوں آمنے سامنے کھڑے رہے۔

"آخری بات، پھپھو۔" وہ ذرا جھجکا۔ "مجھے کسی ایسے وکیل کا بتائیں، جو ہم افورڈ بھی کر سکیں اور وہ ہمارے ساتھ مخلص بھی ہو۔ فارس غازی کے لیے۔" (اس کے سامنے اب وہ اسے ماموں کہنے سے دانستہ احتراز برتنے لگا تھا۔)

زمر نے سر جھٹکا۔ ذرا توقف کیا۔ تنے اعصاب جیسے ڈھیلے پڑے۔

"خلجی صاحب سے مل لو۔ نمبر اور پتا ٹیکسٹ کر دیتی ہوں۔ ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا۔ اچھے وکیل ہیں۔" اور اسی طرح سینے پہ بازو لپیٹے وہ مڑ گئی۔ اسے پیچھے آنے کا نہیں کہا۔ چاہے تو وہ اندر آجائے، چاہے تو نہ آئے۔ سعدی یاسیت سے اسے جاتے دیکھتا رہا۔ ڈھائی سال سے وہ بس اس کی پھپھو تھی۔ زمر نہیں۔

اگر ایک دفعہ، ایک دفعہ وہ شکوہ کر دے تو وہ اسے بتا دے گا، یا شاید نہیں بتائے گا۔ بس ایک دفعہ...

☼ ☼ ☼

جو زہر پی چکا ہوں تمہیں نے مجھے دیا
اب تم تو زندگی کی دعائیں مجھے نہ دو

چھوٹے باغیچے والے گھر کے لاؤنج میں فل آواز کے ساتھ ٹی وی چل رہا تھا۔ ندرت کبابوں کی ٹکیاں بناتی' بڑی ڈش میں رکھتی جارہی تھیں۔ ساتھ ہی صوفے پہ پیر اوپر رکھے حنین موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ بار بار کال ملاتی' پھر کاٹ دیتی۔ بالآخر ہمت کر ہی لی۔ دوسری طرف گھنٹی جاتی رہی۔ پھر ندرت نے اسے کہتے سنا۔

"کیا میں علیشا سے بات کر سکتی ہوں؟" وہ سر اٹھا کر اسے دیکھنے لگیں۔

"میں حنین ہوں۔ حنہ۔ پاکستان سے۔" وہ ذرا ہچکچا کر کہہ رہی تھی۔ "علیشا میری میلز کا جواب نہیں دے رہی۔ وہ کدھر ہے؟ دراصل مجھے اس کو کسی کا پیغام دینا تھا۔"

وہ اب بہت دھیان سے دوسری طرف کی بات سننے لگی تھی۔ بالکل چپ۔ خاموش اور ساکت۔ پھر بغیر کچھ کہے فون رکھ دیا۔

"کیا ہوا؟" مگر حنہ نے نہیں سنا۔ چپ بیٹھی رہی۔

سعدی اندر آیا اور سلام کرکے ماں کے قریب صوفے پہ گر سا گیا۔ وہ تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"فارس سے ملے؟" وہ امید سے پوچھنے لگیں۔

"جی اور پھپھو سے بھی۔" وہ دور خلا میں دیکھتا اپنی سوچ میں گم تھا۔

"کیا وہ اب بھی تمہاری بات سننے کو تیار نہیں؟"

"ان کا قصور نہیں ہے۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

"تم سے بھی وہی رویہ ہے؟"

"چھوڑیں امی!" وہ چہرے پہ بشاشت واپس لاتے سیدھا ہوا' اور ہاتھ بڑھا کر چنے کی دال اور گوشت کے پسے آمیزے کو تین انگلیوں میں اٹھانا چاہا۔ انہوں نے اس کے ہاتھ پہ چپت رسید کی۔

"ہزار دفعہ کہا ہے' مت کھایا کرو درمیان سے۔ بے برکتی ہوتی ہے۔"

مگر ندرت کی ڈھیٹ اولاد کو فرق نہیں پڑتا تھا۔ سعدی نے آمیزہ منہ میں رکھا اور چباتے ہوئے پھر سے پیچھے ہو کر بیٹھ گیا۔ حنین بدستور سر جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعتاً" ان کو خیال آیا۔

"سعدی... بیٹا! وہ مرکز کے فرنٹ پہ جو بیکری ہے نا' وہ لوگ جگہ خالی کر رہے ہیں۔ کیوں نہ ہم اس کو کرایے پہ لے کر کوئی کام شروع کردیں؟"

"آپ نے ابھی تو اسکول کی جاب ختم کی ہے اور آپ کی صحت بھی اتنی اچھی نہیں۔ کیوں خود کو ہلکان کرتی ہیں؟"

"خرچے بہت ہیں اور تمہاری تنخواہ سے وہ نہیں پورے ہوتے۔ میں آج کل یہی سوچ رہی ہوں۔ بیکری کی جگہ کافی بڑی ہے۔ کپڑوں کا بوتیک شروع کرنے کے بارے میں کیا خیال ہے؟ اگر فارغ بیٹھی رہی تو زیادہ بیمار ہو جاؤں گی۔"

سعدی نے ایک نظر ان کے ہاتھوں کو دیکھا جو مہارت سے کباب کو شکل دے رہے تھے۔ کچھ سوچ کر وہ مسکرایا۔

"آپ ریسٹورنٹ کھول لیں امی! کسی کو کھانا کھلانے سے پیارا احسان کیا ہوگا بھلا؟"

"ریسٹورنٹ؟" وہ سوچ میں الجھیں۔

"مگر پہلے کسی سے مشورہ کیجیے گا۔"

"کس سے کروں؟"

"کوئی بھی کام شروع کرنے سے پہلے دو لوگوں سے مشورہ لیتے ہیں امی! ایک وہ جس نے اس کام میں فائدہ اٹھایا ہو' اور ایک وہ جس نے اس میں نقصان اٹھایا ہو۔" پھر حنہ کو دیکھا جو ابھی تک شل بیٹھی تھی۔

"گڑو بیگم! ریسٹورنٹ بننے سے تمہارے تو دن پھر جائیں گے؟" سعدی نے اسے آواز دی۔ اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا۔

"ہاشم بھائی سے بات ہو تو انہیں بتا دیجیے گا کہ اب علیشا کو ان کے پیسوں کی ضرورت نہیں رہی۔"

کچے کباب کا ٹکڑا اس کے حلق میں رہ گیا، وہ چونکا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟"

"اس کو جب پیسے چاہیے تھے، تب انہوں نے نہیں دیے۔ پھر اس نے خود ہی حاصل کرنے چاہے۔" وہ شاک کے عالم میں بول رہی تھی۔ "اس نے کچھ دوستوں کے ساتھ مل کر چوری کرنے کی کوشش کی۔ وہ کمپیوٹرز میں اچھی تھی اور قسمت میں بری۔ سب گرفتار ہو گئے۔ اب وہ جیل میں ہے، ایک لمبے عرصے کے لیے۔"

وہ بے یقین تھی، بالکل حق دق۔ پھر ایک دم اٹھ کر اندر چلی گئی۔ سعدی ابھی تک ساکت و جامد بیٹھا تھا۔ ندرت افسوس سے کچھ کہہ رہی تھیں، مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

اور پھر جب شاک اُترا تو ہر طرف تاسف چھا گیا۔

☆ ☆ ☆

ان ہی پتھروں پہ چل کر اگر آسکو تو آؤ
مرے گھر کے راستے میں کوئی کہکشاں نہیں ہے

قصر کاردار میں ملازموں کی چہل پہل جاری تھی۔ سرما کی وہ دھند آمیز صبح باہر تک محدود تھی۔ اندر سینٹرل ہیٹنگ نے لاؤنج کو گرم رکھا تھا۔ نئی لڑکی فینونا ایک ان ڈور گملے کو پانی دے رہی تھی۔ گاہے بگاہے نگاہ اٹھا کر اورنگ زیب کے کمرے کی سمت بھی دیکھ لیتی، جہاں دروازہ ادھ کھلا تھا اور وہ آئینے کے سامنے کھڑے تیار ہوتے دکھائی دے رہے تھے۔ فینونا وہاں سے مکمل منظر نہیں دیکھ سکتی تھی، آوازیں بھی مدھم تھیں، مگر جھگڑے کی آواز بہرا بھی سمجھ لیتا ہے، وہ تو صرف زبان سے ناآشنا تھی۔

اگر اندر جھانکو تو سامنے کاؤچ پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر جواہرات بیٹھی تھی۔ سلگتی آنکھیں اورنگ زیب کی پشت پر جمی تھیں۔

"اگر تم ایک دفعہ شیرو کی بات سن کر..."

"اپنے بیٹے کی سفارش مت کرو میرے سامنے۔ میں اس کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتا۔" وہ تلخی سے کہتے ٹائی کی ناٹ باندھ رہے تھے۔

"وہ کتنا بانپھر ہے، تم جانتے ہو۔ اس طرح کا رویہ رکھو گے تو وہ گھر چھوڑ کر چلا جائے گا۔"

"تو چلا جائے۔ دو دن فٹ پاتھ پہ رہنا پڑے گا تو عقل آجائے گی۔ اپنے باپ کو بے وقوف بناتا ہے۔"

"اگر وہ گیا نا اورنگ زیب! تو اس کے ذمہ دار تم ہو گے۔" وہ بمشکل ضبط کر کے بولی تھی۔

"ہر شے کی ذمے دار تم ہو۔ تمہاری بے جا حمایت نے اس کو اس مقام پہ لا کھڑا کیا ہے۔" کالر جھٹک کر کوٹ پہنا۔ تنفر بھری نگاہ آئینے میں پیچھے نظر آتی جواہرات پہ ڈالی اور پھر باہر نکل گئے۔ وہ وہیں بیٹھی کلستی رہ گئی۔

لاؤنج میں وہ لمحے بھر کو رکے۔ نوشیرواں سیڑھیوں کے وسط میں کھڑا تھا۔ خاموش، فکر مند سا۔ اورنگ زیب نے اس پہ نظر ڈالی اور اتنی جلدی پلٹے کہ جیسے کوئی ناگوار نظارہ سامنے ہو، مڑے، میری کو آواز دی، اور واپس کمرے میں چلے گئے۔ فینونا جلدی سے پانی رکھ کر میری کو بلانے بھاگی۔ شیرو وہیں زینے پہ بیٹھ گیا۔ گردن جھکالی۔ نہ پیسے ہاتھ میں رہے، نہ رشتے۔

"کتنے دن تک یونہی بیٹھے رہو گے؟" شہرین سرسری سا پوچھتی، ہاتھ میں کٹے سیبوں کی پلیٹ پکڑے، اس کے ساتھ زینے پہ بیٹھی تو وہ چونکا، پھر دوبارہ سر جھکا لیا۔

"جب تک وہ مجھے معاف نہیں کر دیتے۔"

"تو تم ان سے معافی مانگ لو نا۔ سمپل۔" ملازموں کی زبانی وہ سب سن چکی تھی۔

"کتنی دفعہ مانگ چکا ہوں، مگر جواب میں چیخ چلا کر مجھے دفعان کر دیتے ہیں۔"

"اور ہاشم؟" اس نے پلیٹ سے سیب کا ٹکڑا اٹھا کر منہ میں ڈالا۔

"وہ تو مجھ سے بات بھی نہیں کر رہے۔"

"اور تم نے اسی لیے اسے ایک دفعہ بھی مخاطب نہیں کیا؟ کھاؤ گے؟" ساتھ ہی پلیٹ بڑھائی۔

نوشیرواں نے بے دلی سے منہ پھیر لیا۔ البتہ اب شہرین سے پہلے کی طرح بے زار نہیں رہتا تھا۔ صرف وہی تھی جس نے سارا قصہ سننے کے بعد اس سے ہمدردی جتائی تھی اور کہا تھا۔

"بھئی' تم نے لالچ میں تو نہیں کیا نا' ایک ایڈونچر تھا یہ' اس میں اتنا ناراض ہونے والی کیا بات ہے؟"

اب بھی وہ کندھے اچکا کر کہہ رہی تھی۔

"یوں کرو' اوپر جاؤ اور ہاشم سے معافی مانگ لو۔ بات ختم۔ اس کو صرف تمہاری معافی کا انتظار ہے۔"

"واقعی؟" اس نے بے چینی سے شہرین کو دیکھا۔ تھپڑ پھر سے یاد آیا۔ بے اختیار گال پہ ہاتھ رکھا۔

"ہاں نا۔ وہ تم سے کبھی خفا نہیں ہو سکتا اور مجھے اپنا فون دے جاؤ۔"

"کیوں؟" وہ فون دیتے دیتے رکا۔ شہرین نے موبائل اس کے ہاتھ سے اچک لیا۔

"وقت ضائع مت کرو' وہ آفس کے لیے نکل ہی نہ جائے۔"

"اچھا۔" وہ فوراً" اوپر آیا۔ تھوڑی دیر اس کے کمرے کے باہر رکا رہا' پیچھے سیڑھیوں پہ بیٹھی شہرین نے اس کے موبائل سے سعدی کا نمبر نکالا اور اپنے فون پہ منتقل کیا۔

شیرو نے بغیر کھٹکھٹائے دروازہ کھولا۔ ہاشم ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑا تھا۔ کوٹ ابھی اسٹینڈ پہ تھا' اور وہ کف لنکس پہن رہا تھا۔ آہٹ پہ گردن موڑی' اسے دیکھا اور واپس کف لنک پہننے لگا۔

"آؤ شیرو۔" انداز نارمل تھا۔ نہ غصہ' نہ پیار۔ وہ سر جھکائے' لب کاٹتا قدم قدم چلتا قریب آیا۔ یہ اس دن کے بعد دونوں کی پہلی بات چیت تھی۔ یہ سوشل بائیکاٹ اس کے لیے بہت سنگین ثابت ہوا تھا۔

"بھائی! ابھی تک ناراض ہیں مجھ سے؟" نگاہ اٹھانے کی ہمت نہیں ہوئی۔ ہاشم نے ٹائی گردن میں ڈالی اور آئینے میں دیکھتے اس کی گرہ لگانے لگا۔

"کیا میں اسے معذرت سمجھوں؟"

نوشیرواں نے بے چینی سے چہرہ اٹھایا۔

"آئی ایم سوری بھائی۔ میں نے آپ کو بہت ہرٹ کیا۔"

"میں معذرت قبول کرتا ہوں۔ بھول جاؤ سب۔" ٹائی کی گرہ باندھتے ہوئے وہ اب بھی نہیں مسکرایا۔

"آپ مجھ سے ابھی تک ناراض ہیں؟"

"نہیں۔" اس نے ناٹ کسی' کالر درست کیے' اسٹینڈ سے کوٹ اٹھایا اور مڑ کر شیرو کو سنجیدہ نظروں سے دیکھا۔ "ناراض نہیں ہوں' حیران ہوں۔ اس پہ نہیں کہ میں بے وقوف کیسے بنا۔ اعتبار کرنے والے دھوکا کھا جاتے ہیں۔ اس پہ بھی نہیں کہ تم ایک کرمنل ذہن رکھتے ہو۔ بلکہ صرف اس پہ کہ اگر تمہیں پیسے چاہیے تھے تو تم میرے پاس کیوں نہیں آئے؟"

"ایڈونچر کرنا... چاہ رہا تھا... بس۔" نوشیرو نے شرمندگی وخفت سے گردن جھکالی۔ ہاشم نے کوٹ پہنا اور اسے دیکھتے ہوئے بٹن بند کیا۔

"تم شیرو! میری ایک بات اپنے دماغ میں بٹھالو۔ تمہارا بھائی تمہارے سب معاملے سنبھال سکتا ہے۔" اس نے اس کے کندھے پہ سختی سے ہاتھ جمایا تو نوشیرواں نے شرمندہ چہرہ اٹھایا۔

"تمہیں پیسہ چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کوئی لڑکی چاہیے' تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہیں کسی کی جان چاہیے تم میرے پاس آؤ گے۔ مگر تم خود کچھ نہیں کرو گے۔ کبھی بھی نہیں۔ سمجھ میں آیا؟"

اس نے اثبات میں گردن ہلائی۔ پھر قدرے جھجکا۔

"وہ جو کہا آپ نے کہ کاش وہ... وہ... سعدی آپ کا بھائی ہوتا..."

"وہ ایک اچھا لڑکا ہے' رشتوں کا پاس کرنا جانتا ہے' وہ ہمارا تیسرا بھائی ہوتا تو مجھے خوشی ہوتی' مگر وہ نہیں

ہے۔ اورنگ زیب کاردار کے دو ہی بیٹے ہیں' میں اور تم۔ تمہاری نظر میں میری کتنی اہمیت ہے' مجھے واقعی نہیں معلوم' مگر میرے لیے تم اور سونیا برابر ہو۔"

"آپ کو پتا ہے میں آپ سے کتنی محبت کرتا ہوں' کتنا احترام کرتا ہوں آپ کا۔"

"نہیں مجھے نہیں پتا۔" پرفیوم خود پہ چھڑکتے سنجیدگی سے کندھے اچکائے۔ شیرو روہانسا ہو گیا۔

"یہ سچ ہے۔"

"پھر اسے ثابت کرو۔ کیونکہ مجھے دوبارہ سے تمہارے تخریبی ذہن پہ اعتبار کرنے میں وقت لگے گا۔" اس کے کندھے کو تھپتھپا کر' وہ موبائل اٹھاتا باہر نکل گیا۔ اب بھی نہیں مسکرایا تھا۔ نوشیرواں پریشان سا وہیں کھڑا رہ گیا۔

شہرین اب سیڑھیوں کے وسط میں کھڑی تھی۔ اسے آتے دیکھ کر راستہ دیا۔ ہاشم چند زینے اترا' پھر اس کے قریب رکا۔

"کچھ کاغذات پہ تمہارے دستخط چاہیے ہیں' دوپہر میں آفس آجانا۔"

"میں خلع لے رہی ہوں' طلاق نہیں' چاہو تو یہ لمبی چوڑی رقم اور مراعات نہ بھی دو۔ ضرورت نہیں مجھے تمہارے پیسے کی۔"

"وہ باتیں مت کہو جن کا مطلب تم خود بھی نہیں جانتیں۔ جو دے رہا ہوں' اپنی بیٹی کے لیے دے رہا ہوں۔ ماں سے الگ نہیں کر سکتا اس کو۔ اب ہٹو سامنے سے۔" وہ مزید سرکی' اور ہاشم نیچے اتر گیا۔ وہ تلملاتے ہوئے اسے جاتے دیکھتی رہی۔ آنکھوں میں شدید بغض اور بے بسی تھی۔

وہ ماں باپ کے کمرے کے سامنے رکا تو جواہرات ہنوز کاؤچ پہ بیٹھی کلس رہی تھی اور ڈریسنگ مرر کے سامنے کھڑے اورنگ زیب میری اینجیو کو ہدایات دے رہے تھے۔ وہ چوکھٹ میں آرکا۔

"میں علیشا کی فیس پے کر رہا ہوں۔ کسی کو کوئی اعتراض ہو تب بھی مجھے کچھ کہنے کی زحمت نہ کرے' میرا دماغ آج کل بہت گھوما ہوا ہے۔"

اطلاع دی اور اسی سنجیدہ چہرے کے ساتھ مڑ گیا۔ جواہرات تلملا کر اٹھی' اورنگ زیب نے اسے برہمی سے پکارا مگر وہ باہر جا چکا تھا۔ دونوں بے بسی سے ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔ باہر دھند ابھی تک چھائی تھی۔ وہ برآمدے تک پہنچا تھا جب خاور تیزی سے قریب آتا دکھائی دیا۔ وہ فکر مند لگ رہا تھا۔

"سعدی یوسف نے آپ کے کیس کے وکیل کو فائر کر دیا ہے۔"

"معلوم ہے۔"

"آپ اتنے بے فکر کیسے ہو سکتے ہیں؟"

"فکر کی کیا بات ہے؟" وہ الٹا حیران ہوا۔ "لوگ وکیل بدلتے رہتے ہیں۔ اگلا بھی ہمارا ہی ہو گا۔ نہیں تو جج تو ہمارا ہی ہے۔"

"مگر مجھے پریشانی ہے۔ ان لوگوں کو وہ آڈیو کہاں سے ملی؟"

"کون سی آڈیو؟" وہ ٹھٹک کر رکا۔ خاور نے محمود صاحب سے جو سنا تھا بتا دیا۔

"ہاں' زمر ایسے کام کر سکتی ہے۔ وہ کہہ رہا ہے تو ایسا ہی ہو گا۔" وہ گاڑی کی طرف جا رہا تھا۔ خاور تیزی سے اس کے پیچھے لپکا۔

"کیا واقعی ایسا ہی ہے؟ ہو سکتا ہے' وہ جھوٹ بول رہا ہو۔" ہاشم رک کر اسے دیکھنے لگا۔

"آپ نے اسے اور اس کی بہن کو اس رات اپنا لیپ ٹاپ دیا تھا' کہیں اس نے وہ آپ کے پاس سے تو نہیں نکالی؟"

"ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ بےزار ہوا۔ "وہ آڈیو میرے سیف میں ہے' میں نے دو دن پہلے ہی دیکھی ہے۔ لیپ ٹاپ میں میرے ڈاکومنٹس کا فولڈر لاک ہے' وہ دونوں اتنے بھی اسمارٹ نہیں کہ ہر چیز کھول لیں اور سعدی جھوٹ نہیں بولتا' جو کہہ رہا ہے وہی ہو گا۔ مگر جج ہمارا ہے' پھر کیا مسئلہ ہے؟"

"سر! آپ کا اوور کنفیڈینس۔" وہ کہتے کہتے رکا۔

ہاشم نے ایک سخت کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی' اور آگے بڑھ گیا۔ خاور نے بے چینی سے ٹھوڑی کھجائی۔ بظاہر ہاشم ٹھیک کہہ رہا تھا مگر پھر بھی اسے یہ لڑکا کچھ گڑبڑ لگ رہا تھا۔ خیر' ہاشم سعدی کو زیادہ بہتر طور پہ جانتا تھا یقیناً، وہ سر جھٹکتا' آگے بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆

ٹوٹے ہوئے مکاں ہیں مگر چاند سے مکین
اس شہر آرزو میں اک ایسی بھی گلی ہے

وہ ایک ابتر سا آفس تھا۔ فائلوں کے ڈھیر' بے ترتیب کتابوں سے بھرے ریک اور میز پہ بکھرا اتنا کچھ' کہ اس سارے میں کرسی پہ بیٹھا سعدی بے حد بے بسی محسوس کر رہا تھا۔ اس کے مقابل' آفس کے مالک کی کرسی پہ موجود ادھیڑ عمر صاحب نیچے جھکے دراز سے کچھ نکال رہے تھے۔ دفعتاً" وہ سیدھے ہوئے۔ وہ اُڑے اُڑے کھچڑی بالوں' موٹی عینک اور شریف چہرے والے انسان تھے۔ سعدی کو ان پہ ترس' خود پہ رحم اور زمر پہ غصہ آیا جس نے اسے یہاں بھیجا تھا۔

سیدھے ہوتے ہی انہوں نے کچھ فائلز دھپ سے میز پہ رکھیں۔ نتیجتاً" اوپر تلے رکھی سیاہ کتابیں دھڑام سے سعدی کی طرف لڑھکیں۔ وہ کرنٹ کھا کر پیچھے ہوا۔ ایک موٹی کتاب پیر پہ جا لگی۔ باقی دو گھٹنوں پہ۔ آؤچ!

"لگی تو نہیں؟" انہوں نے ناک پہ عینک دھکیلتے پوچھا۔

"بالکل نہیں جی۔" (میں کوئی انسان تھوڑی ہوں؟) وہ جھک کر ان کو سمیٹنے لگا۔ پھر میز پہ رکھیں' اسی بے چارگی سے خلجی صاحب کو دیکھا۔

"سر! آپ بے شک ابھی اپنے کام کر لیں' میں پھر آجاؤں گا۔" وہ کرسی کے کنارے پہ آگے کو ہو گیا۔ بھاگنے کو تیار۔

"نہیں نہیں' میں آپ کی بات سن رہا ہوں۔" انہوں نے دائیں بائیں گردن ہلائی۔ "کیس بھی دیکھ لیا تھا میں نے۔"

"تو پھر آپ یہ کیس لیں گے؟" بے توجہی سے پوچھتے پیچھے کھڑی الماری پہ نظر ڈالی۔ شیشے کے دروازوں کے پیچھے کتابیں اور فائلیں بھری تھیں۔ اوپر تلے اڑسے کاغذ۔ بے ترتیبی سی بے ترتیبی۔

"دیکھو بیٹے! فارس غازی جیسے بندے کا دفاع کرنا آسان نہیں۔۔۔"

"خیر ہے' آپ رہنے دیں' میں کہیں اور چلا جاؤں گا۔" وہ شکریہ کہتا جلدی سے اٹھا۔ بس بھاگنے کی دیر تھی۔ یہ اتنا بھی مروت میں بیٹھ گیا۔

اس آدمی کی تو عینک گم جائے تو یہ نہ ڈھونڈ سکے' فارس کو کیا خاک رہا کروائے گا۔"

"مجھے پتا ہے' فارس غازی کا دفاع آپ کے لیے مشکل ہو گا' کیونکہ آپ یہ سمجھ رہے ہیں کہ وہ ہی قاتل ہے' تو۔۔۔"

"نہیں۔ میرا خیال ہے' وہ بے گناہ ہے۔"

وہ جو بس مڑنے ہی والا تھا' ایک دم ٹھہر کر انہیں دیکھنے لگا۔ "جی؟"

"ہاں نا' گناہ گار کا دفاع کرنا زیادہ آسان ہوتا ہے۔ مگر بے گناہ کا کیس سوچ سمجھ کر لینا چاہیے۔ کیونکہ اگر ایک معصوم آدمی کا ہم دفاع نہ کر سکے اور وہ جیل چلا گیا' تو وہ بہت خطرناک ہو جاتا ہے۔"

وہ آہستہ سے دوبارہ بیٹھا۔ آگے کو جھک کر حیرت اور الجھن سے ان کو دیکھنے لگا۔

"آپ کو لگتا ہے کہ وہ بے گناہ ہیں۔ باوجود پراسیکیوٹر زمر کے بیان کے؟"

"پراسیکیوٹر صاحبہ نے تو یہ بیان دینا ہی تھا۔ وہ سرکار بنام سجاد راؤ کی پراسیکیوٹر جو رہی ہیں۔ ویسے مجھے' بڑی حیرت ہے تمہارے پچھلے وکیل نے اس کیس کا ذکر نہیں کیا۔" ابھی ابھی نکالے فائلز کے گٹھڑ کو اس کی طرف دھکیلا۔ اس سے قبل کہ کتابیں دوبارہ گرتیں' سعدی نے جلدی سے اسے واپس پیچھے کیا۔ البتہ وہ ان کے چہرے سے اپنی بے چین نظریں نہیں ہٹا پا رہا تھا۔

"یہ کون سا کیس تھا؟"

"یہ وارث غازی قتل سے کوئی پانچ ماہ پہلے ختم ہوا تھا۔ میں اس میں ڈیفنس اٹارنی تھا اور زمر صاحبہ پراسیکیوٹر۔ ایک آدمی نے اپنی بیوی پہ گولی چلائی' مگر ایسا کرنے سے قبل اس کے سامنے اعتراف کیا' اس کی پراپرٹی پہ قبضہ کرنے کا' اس کے ساتھ مزید کچھ زیادتیاں کرنے کا۔ قسمت سے بیوی بچ گئی اور اس نے پولیس کو بتا دیا۔ سات ماہ زمر لگی رہیں' یہ ان کا پہلا کیس تھا' رہپو بھی بنانی تھی' بہر حال فیصلہ ان ہی کے حق میں گیا۔ میرا خیال ہے' جس نے بھی فارس کے بھائی اور بیوی کا قتل کیا ہے' اس کی ڈسٹرکٹ کورٹ کے کیسز پہ گہری نظر ہو گی' اسے معلوم ہو گا کہ انسان اپنی زبان سے کسی بات میں سب سے اچھا پھنستا ہے۔ پراسیکیوٹر صاحبہ ویسے بہت سمجھ دار خاتون ہیں' لیکن وہ یہاں مار کھا گئیں' کیونکہ وہ اسی طرح کا ایک کیس پراسیکیوٹ کر چکی ہیں۔"

"یعنی۔۔۔ زمر اپنے حملہ آور کی کال پہ اس لیے یقین کر رہی ہیں کیوں کہ وہ آخری منٹ کے اعتراف کے ایسے ہی ایک کیس کو لے چکی ہیں۔ ان کے نزدیک یہ ممکن ہے کہ کوئی ایسا کرے۔" ایک دم اسے محسوس ہوا کہ زمر نے اسے صحیح بندے کے پاس بھیجا ہے۔ (ان کے پہلے تاثر پہ مت جانا!)

"بالکل۔ ویسے لوگ یہ کرتے بھی ہیں۔ قتل بڑا بوجھ ہوتا ہے۔ انہیں کسی سے تو بانٹنا ہوتا ہے۔ بہت سے کیسز دیکھے ہیں میں نے' جہاں لوگ کسی کو مارنے سے پہلے اپنے پچھلے گناہوں کا اعتراف کر لیتے ہیں۔"

"مجھے پتا ہے' یہ سب کس نے کروایا ہے۔" وہ ایک دم جوش میں بولنے لگا تو انہوں نے فوراً" ہاتھ اٹھا کر روکا۔ "شش شش۔" وہ بے اختیار رک گیا۔

"کیا وہ لوگ طاقت ور ہیں؟"

"بہت زیادہ۔" اس کے گلے میں کچھ اٹکا۔

"اور کیا تمہارے علاوہ کوئی اور بھی جانتا ہے کہ وہی اصل قاتل ہیں؟"

"نہیں۔"

"تو پھر اپنا منہ سی لو۔"

"جی؟" وہ دم بخود رہ گیا۔

"دیکھو بچے! تم ایک با اثر آدمی کو اس میں نہیں گھسیٹ سکتے۔ ایسا کرو گے تو وہ فارس کو جیل میں ختم کروا دیں گے اور تمہیں جیل سے باہر۔ تم جس کو بھی ان کے نام بتاؤ گے' ان کی زندگی خطرے میں ڈالو گے۔ تم ان کو گناہ گار ثابت مت کرو' صرف فارس کو بے گناہ ثابت کرنے کی کوشش کرو۔ ایک دفعہ وہ باہر آجائے' پھر جو کرنا ہو کر لینا۔"

وہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا مگر سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ بات غلط نہیں تھی۔

"کیا ہم ان کو رہا کروا لیں گے؟"

"اگر جج ایمان دار ہوا تو ہاں۔"

اور اتنے دنوں میں یہ پہلی امید کی کرن تھی جو اسے نظر آئی تھی۔ اندھیری رات کا پہلا تارہ۔ جو سورج نکلنے کی نوید ہوتا ہے۔ ہاں' کبھی تو صبح ہو گی۔ وہ خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔

جس کو دیکھو اس کے چہرے پر لکیریں سوچ کی
جیسے ہو جائے مقدر کسی شے کا مقدر سوچنا

سعدی کورٹ سے واپس اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا جب کسی اجنبی نمبر سے فون آنے لگا۔ اس نے ڈرائیو کرتے ہوئے کال لے لی۔

"سعدی؟"

"جی۔۔۔ کون؟"

"شہرین بول رہی ہوں۔" اس نے موبائل کان سے ہٹا کر اسے گھورا۔

"کہیے' کیسے فون کیا مسز کاردار؟"

"کیا ہم مل سکتے ہیں؟ کسی ایسی جگہ جہاں میرے اور تمہارے گھر والوں کو علم نہ ہو!"

"جہاں تک مجھے یاد ہے' میں تیئس سال کا ہوں

اور آپ کم از کم بھی مجھ سے بارہ سال بڑی ہیں تو۔۔۔"
"او شٹ اپ، مجھے تمہارے ساتھ ڈیٹ پہ نہیں جانا، تم سے ایک کام ہے، مگر ہاشم کو پتا نہ چلے۔"
"پھر ٹھیک ہے۔ پتا ٹیکسٹ کرتا ہوں، دوپہر میں آجایئے گا۔" اپنی حیرت چھپاتے ہوئے اس نے فون کان سے ہٹایا۔

عرصہ پہلے شہرین نے اس سے صلح کرلی تھی، اس کو تب سے معلوم تھا کہ ایک دن یہ لڑکا اس کے کام آئے گا اور وہ دن آن پہنچا تھا۔

☆ ☆ ☆

جو آگ لگائی تھی تم نے اس کو تو بجھایا اشکوں نے
جو اشکوں نے بھڑکائی ہے، اس آگ کو ٹھنڈا کون کرے

کچھ دیر بعد وہ سارہ کے آفس میں موجود تھا۔ وہ کرسی پہ براجمان، ہاتھ میں پکڑے کاغذ کو پڑھ رہی تھی۔ پھر چہرہ اٹھایا اور تحمل سے اسے دیکھا۔

"یہ تمہاری اس ہفتے میں لی جانے والی دوسری لیو ہے۔ اگر میں یہ منظور کرلوں، تو آفس کے باقی لوگ کیا خیال کریں گے؟"

"مجھے فارس ماموں کے کیس کے لیے کچھ اہم کام کرنے ہیں۔"

"وہ اتوار کو نہیں ہوسکتے کیا؟" سعدی نے معصومیت سے سر نفی میں ہلایا۔ "اتوار کو پاکستان میں چھٹی ہوتی ہے۔"

سارہ نے سمجھنے والے انداز میں اسے گھورا، پھر کرسی کی سمت اشارہ کیا۔ وہ بیٹھ گیا۔

"تم اتنے اہم ادارے میں بطور ایک سائنس دان کام کررہے ہو تو اپنی ڈگری کی وجہ سے، مگر یہاں سب جانتے ہیں کہ تم میرے بھانجے ہو۔ اگر اسی طرح میں تمہیں فیورز دینے لگی تو تم یہاں اپنی عزت کھو دو گے۔ پہلے تاثر دائمی ہوتے ہیں سعدی!"

"مگر سچ نہیں ہوتے۔" وہ اداسی سے مسکرایا۔ "خیر، آج کے بعد ایسا نہیں ہوگا۔ بس آج کے لیے۔"

"صرف آج کے لیے۔" تنبیہی نظروں سے اسے دیکھ کر سارہ نے درخواست پہ دستخط کیے۔ پھر کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔

"آپ کیسی ہیں؟ بہت دن سے کام کے علاوہ آپ سے کوئی بات نہیں ہو سکی۔" اس نے دیکھا' سارہ کے چہرے پہ ملال بھری مسکراہٹ بکھر گئی۔ نیلی آنکھوں اور نرم چہرے والی سارہ اب بھی پہلے کی طرح لگتی تھی' مگر بس صرف لگتی ہی تھی۔ ایک تکان' اداسی' ناامیدی اس کی آنکھوں میں آکر ٹھہر سی گئی تھی۔

"اللہ کا شکر ہے۔ میں' امی' بچیاں' ہم سب ایک دوسرے کو سنبھالے ہوئے ہیں۔" ذرا توقف کیا۔

"فارس کیسا ہے؟"

"بے گناہ آدمی قید میں رہ کر کیسا ہو سکتا ہے؟ بے بس اور غم و غصے سے نڈھال۔ مگر ہم انہیں جلد رہا کروالیں گے اور اصل قاتلوں کو سزا دلوائیں گے۔"

"اس سے کیا ہو گا سعدی؟ وارث واپس تو نہیں آئے گا۔"

اور وہ اس کے اسی فقرے کا انتظار کر رہا تھا' کہ ایڈووکیٹ خلجی سے ملاقات کے بعد اس کو اس سوال کا جواب مل گیا تھا۔

"ہم قاتل کو سزا مقتول کو واپس لانے کے لیے نہیں دیتے۔ بلکہ اس لیے دیتے ہیں تاکہ وہ کسی اور کو قتل نہ کرے۔ قصاص میں زندگی ہوتی ہے' مقتول کی نہیں' بلکہ کسی اور کی۔ آپ کی' آپ کے بچوں کی' فارس غازی کی' یا شاید میری اپنی۔"

اب کے سارہ نے آنکھیں سکیڑ کر غور سے اسے دیکھا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہوئی' ہاتھوں میں قلم گھماتے ہوئے کچھ سوچا۔

"تمہارا انداز پُراسرار ہوتا جا رہا ہے۔"

"اونہوں۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اب میں جاؤں؟"

اور وہ جلدی سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"یہ آخری دفعہ ہے' سعدی یوسف خان!" اس نے درخواست کی طرف خفگی سے اشارہ کیا۔

"جی بالکل' اس ہفتے میں آخری دفعہ۔" کاغذ اٹھایا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ سارہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑی اور پھر سر جھٹک کر کمپیوٹر کی طرف متوجہ ہو گئی اور جس وقت وہ وہاں سے نکل رہا تھا' اسی شہر میں کئی میل دور' ہاشم اپنے آفس میں موجود' فون پہ کہہ رہا تھا۔

"کیسی ہو بچہ؟ تمہارا پھر سے شکریہ۔"

اپنے لاؤنج میں صوفے کے ساتھ کھڑی' لینڈ لائن فون کا ریسیور کان سے لگائے حنہ اداسی سے مسکرائی۔

"اٹس اوکے ہاشم بھائی! ویسے شیرو بھائی نے وہ ویڈیو شوٹ کہاں کی تھی۔"

"اس کا ایک کامیج ہے ایوبیہ میں' وہیں پہ۔۔۔ خیر۔ فارس کا کیس کیسا جا رہا ہے؟ اس آڈیو سے کوئی فرق پڑا یا نہیں؟"

"بھائی کہہ تو رہا تھا کہ فرق پڑے گا۔"

"ہوں' ویسے وہ کہاں سے ملی آڈیو؟" بظاہر سرسری سا پوچھا۔

"زمر پھپھو نے نکلوا کر دی تھی' مگر۔۔۔ یہ بات آپ کسی کو بتائیے گا نہیں۔ یہ فیملی سیکریٹ ہے۔" اس نے مدھم سا کہا' وہی جو بھائی نے بتایا تھا۔ "زمر پھپھو کو بھی نہیں بتائیے گا کہ میں نے بتا دیا ہے۔"

"یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے کیا؟" وہ الٹا حیران ہوا۔

اس یقین دہانی پہ وہ مسکرا دی۔ "ہاشم بھائی' آپ بہت اچھے ہیں۔"

"معلوم نہیں' خیر۔ تمہیں ایک کام کہا تھا؟"

حنین کی مسکراہٹ سمٹتی گئی۔ آنکھوں میں گہرا کرب چھانے لگا۔ "علیشا کو۔۔۔" اور جو سنا تھا بتاتی گئی۔ وہ دوسری جانب بالکل خاموشی سے سنتا گیا یہاں تک کہ حنین کو لگا' وہ وہاں موجود ہی نہیں ہے۔

"ہاشم بھائی' کچھ تو بولیں؟"

وہ چپ رہا' بالکل چپ۔ حنہ کا دل ڈوبنے لگا جیسے نیلے پانیوں میں بحری جہاز ڈوب جاتا ہے۔

"کیا آپ اتنا بھی نہیں کہیں گے کہ آپ کو افسوس ہے؟ کیا آپ کو ذرا سا بھی افسوس نہیں؟" اس کی آواز

بھرا گئی مگر ہاشم نے فون رکھ دیا۔

اس دن کے بعد سے وہ حنہ کے لیے ایفل ٹاور بن گیا۔ گو کہ اس نے چند منٹ انتظار کیا کہ وہ کال بیک کرے گا مگر نہیں، کوئی کال نہیں آئی۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ اب اگلے ڈیڑھ سال وہ اس سے سوائے دور دور سے خاندانی تقریبات پہ ملنے کے، بالکل نہیں مل پائے گی۔ اور یہ بھی کہ دوبارہ وہ ہاشم سے فون پہ بات ڈیڑھ سال بعد تب کرے گی جب وہ امتحانی مرکز میں چیٹنگ کرتی پکڑی جائے گی۔

اگر ہم سب کاہن (نجومی) ہوتے تو زندگی کا سارا تھرل ہی ختم ہو جاتا!

☼ ☼ ☼

خود کو بڑھا چڑھا کے بتاتے ہیں یار لوگ
حالانکہ اس سے فرق تو پڑتا نہیں کوئی

چھوٹے باغیچے والے گھر سے قدرے فاصلے پہ مین روڈ پہ موجود شاپ اس وقت مرمت کے مرحلے سے گزر رہی تھی۔ اندر مستری مزدور لگے تھے۔ پینٹ کی مہک، لکڑی اور سیمنٹ کا جا بجا بکھراوا، چیزوں کی اٹھا پٹخ۔ ندرت اس شاپ کو چھوٹا سا ریسٹورنٹ بنانے کی تیاریوں کی نگرانی کر رہی تھیں۔ ساتھ ہی گاہے بگاہے کونے میں رکھی میز کی جانب بھی دیکھ لیتیں (جو آج ڈیڑھ سال بعد ریسٹورنٹ کے مرکزی سٹنگ ایریا میں شامل تھی) جہاں سعدی کے ساتھ ہاشم کی بیوی بیٹھی تھی اور وہ خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔ ندرت اس طرف نہیں گئی تھیں، سعدی نے بتایا تھا کہ فارس کے کیس کے سلسلے میں اسے شہرین سے کوئی کام تھا، تفصیل کو رہنے دیں اور ندرت نے پھر پوچھا نہیں۔

شہرین ہاتھ با ہم پھنسائے، وقفے وقفے سے شانے جھٹک کر اور ابرو اچکا کر، مدھم بول رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم تھا، آپ ہاشم بھائی سے اتنی عاجز ہیں۔"

"میں کتنی دیر سے بتا رہی ہوں، کس طرح وہ مجھ پہ ٹارچر کرتا ہے، شک کرتا ہے، مارتا ہے اب بھی تمہیں لگتا ہے کہ مجھے عاجز نہیں آنا چاہیے؟" وہ ناگواری سے چیخ کر بولی۔ سعدی نے ہلکے سے شانے اچکائے۔

"تو اب کیا آپ ان سے انتقام لینا چاہتی ہیں؟"

"وہ بھی لوں گی، اپنے اوپر کیے گئے ایک ایک ظلم کا حساب لوں گی، لیکن ابھی میں کسی اور کام کے لیے آئی ہوں۔"

"میں ہاشم بھائی کا دوست ہوں، ان کے خلاف آپ میری مدد لیں گی، اتنا اعتبار کیسے ہے مجھ پہ؟"

"میرے تمام آپشنز میں تم سب سے زیادہ بھروسے کے قابل لگے مجھے۔ کسی پروفیشنل کو ہائر کیا تو وہ ہاشم کو بتا دے گا یا مجھے بلیک میل کرے گا۔"

"سو اس کا مطلب ہے، آپ سے کچھ غلط ہوا ہے؟" اس نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے شہرین کو دیکھا۔ اس کا رنگ بدلا۔

"ہرگز نہیں۔ یہ تو ایک مسئلہ ہے۔ جس میں مجھے ہاشم پھنسا سکتا ہے۔ اب تک تو تمہیں اندازہ ہونا چاہیے کہ وہ مجھے ذلیل کرنے کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے۔"

اور اندازہ تو سعدی کو ہو رہا تھا۔ اس نے پہلے اتنی لمبی رام کہانی صرف اس لیے سنائی، تاکہ جو وہ آگے بتانے جا رہی ہے اس میں وہ خود بے قصور لگے۔ خیر وہ سنتا گیا۔

"ہماری طلاق کے بعد بچی کی کسٹڈی مجھے چاہیے اور مجھے ہی ملے گی، لیکن اگر ہاشم کو میرے بارے میں کچھ بھی برا معلوم ہوا تو وہ سونی کو مجھ سے چھین لے گا۔ میرے کزن والی بات پرانی ہو گئی اور دب گئی۔ اب ایک اور مسئلہ ہے۔" کہتے کہتے وہ ذرا رکی، بالوں میں ہاتھ پھیرا، انگلیاں مروڑیں۔

"آپ سے کیا ہوا ہے؟"

"گالف کلب میں کچھ عورتیں کارڈز کھیلتی ہیں، آئی سوئیر میں ان میں شامل نہیں تھی۔ میرا مطلب ہے، وہ صرف ایک کارڈز گیم تھی، مگر میں نے کافی کچھ لوز کر دیا اس میں۔"

"او کے۔ پھر؟"

"ان کے پاس کوئی رجسٹر' کوئی کمپیوٹر کارڈ کچھ نہیں ہوتا' میں نے سارا پیسہ بعد میں پورا کر دیا' مگر اس شام کی سی سی ٹی وی فوٹیج ان کے کمپیوٹرز میں ہے۔ اور اگر کلب میں کبھی کسی نے وہ ہاشم کو دے دی ہو کہ وہ ایسا نہیں کرتے' مگر میں رسک نہیں لینا چاہتی۔ ہاشم کو نہیں معلوم میں نے کتنی بڑی رقم ہاری تھی۔ اس کو رقم سے فرق نہیں پڑتا' مگر ہاشم کاردار کی بیوی gambling کرتے (جوا کھیلتے) ہوئے دکھائی دے۔۔۔ یہ ایک اسکینڈل ہے' اس کی کتنی بدنامی ہوگی اور کوئی بھی اسکینڈل مجھے میری بچی کی شکل دیکھنے سے تاعمر محروم کر سکتا ہے۔"

"آپ مجھ سے کیا چاہتی ہیں؟"

"تم اور تمہاری بہن ان چیزوں میں اچھے ہو۔ کلب کے ریکارڈ سے اس دن کی فوٹیج غائب کر دو' میں تمہیں کچھ بھی دینے کو تیار ہوں۔"

"اپنی بہن کو میں ایسے کلب میں لے کر نہیں جانے والا' سو میری بہن کا نام آئندہ اس معاملے میں نہیں لیں گی آپ' مگر آپ کا کام کر دوں گا۔ ڈونٹ وری۔"

"کیسے کرو گے؟" وہ متعجب ہوئی۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ ویسے' ہاشم بھائی جیسے شاطر آدمی کو دھوکا کیسے دے لیتی ہیں آپ؟"

"ہر شخص کی ایک کمزوری ہوتی ہے' اس کی بھی ہے اسے لگتا ہے جن لوگوں سے وہ محبت کرتا ہے۔ وہ اسے کبھی دھوکا نہیں دے سکتے۔ جیسے اس کی فیملی' جیسے کبھی میں تھی اور جیسے اب تم ہو۔ وہ تم سے بچ میں بہت محبت کرتا ہے' کہتا نہیں ہے مگر اسے تم شیرو کی طرح ہی پیارے ہو۔"

سعدی نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔ شہرین گہری سانس بھر کر پیچھے کو ہو بیٹھی' چہرے پہ آئے بال پرے ہٹائے۔

"اور تم جواب میں کیا لو گے؟"

"آپ کو ہاشم بھائی سے ان کے تمام ظلم و ستم کا بدلہ لینا ہے نا؟ تو بس اس وقت کا انتظار کریں' جب ہم مل کر یہ کام کر سکیں۔"

شہرین نے الجھن سے اسے دیکھا۔ "تم تو ہاشم کے دوست ہو۔ ایسا کیا ہوا تم دونوں کے درمیان؟"

وہ مسکراتے ہوئے کرسی دھکیلتا اٹھا۔

"آپ کے برعکس' میرے آپشنز میں سب سے کم قابل اعتبار آپ ہیں۔"

شہرین نے شانے اچکائے۔ وہ سعدی کی ہر بات سننے پہ مجبور تھی۔

☼ ☼ ☼

گئے تھے زعم میں اپنے پر اس کو دیکھتے ہی
جو دل نے ہم سے کہے تھے پیام' بھول گئے

یہ سرما کی ایسی سرد دوپہر تھی جب ذرا سی دھوپ روح تک کو نور بخشتی۔ ایسے میں عدالت کی عمارت کے گرد کہر کے دائرے میں دھوپ چھید کر کے چوری چھپے داخل ہو گئی تھی' مگر کمرہ عدالت کے اندر شکوک شبہات نے ہنوز سب دھندلا رکھا تھا۔

جسٹس سکندر بغور وکیل دفاع خلجی صاحب کو بولتے سن رہے تھے جو کٹہرے میں کھڑی زمر سے سوال کر رہے تھے۔ سامنے حاضرین کی چند کرسیاں رکھی تھیں۔ بمشکل ڈیڑھ قطار بھر کرسیاں جو اس ٹی وی اور فلم سے یکسر مختلف اور بدصورت کورٹ روم کو مزید بدنما دکھا رہی تھیں۔ کمرے سے باہر کچہری میں پھرتے بھانت بھانت کے لوگوں کا شور یہاں تک سنائی دے رہا تھا' مگر وہ سب زمر کو سن رہے تھے۔ سعدی خاموشی سے اور فارس ناگواری سے۔ دونوں ساتھ ساتھ بیٹھے تھے۔ فارس کی تیوری چڑھی تھی۔ آنکھوں میں زمر کو دیکھتے دبا دبا غصہ تھا۔ سفید کرتے کے کف کلائی پہ موڑ رکھے تھے اور بال پونی میں بندھے تھے۔

البتہ سعدی بالکل چپ چاپ تھا۔ ریشم بننے کے بعد کا نرم مگر بے لچک سا۔

زمر بھی اتنی ہی بے لچک لگ رہی تھی۔ سفید لمبی قمیص' اوپر بلیک منی کوٹ۔ دوپٹا شانوں پہ اور اعتماد سے

اٹھی گردن۔ وہ زمر ہی لگ رہی تھی۔ اور صرف خلجی صاحب کو دیکھ رہی تھی۔

"آپ دیکھ چکی ہیں کہ کس طرح ابھی ایک ایکسپرٹ witness (ماہر گواہ) نے یہ ثابت کر کے دکھایا ہے کہ اس ریکارڈنگ میں موجود فارس غازی کی آواز اصلی نہیں ہے۔"

"الفاظ وہی ہیں جو میں نے سنے تھے۔ ریکارڈنگ کے بارے میں عدالت درست فیصلہ کر سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے ریکارڈنگ سے اصل آواز نکال کر جعلی ڈالی گئی ہو تاکہ عدالت میں اپنی مرضی کی بات ثابت کی جا سکے۔ آفٹر آل' اس ریکارڈنگ کا سورس غیر تصدیق شدہ ہے۔" ذرا سے شانے اچکائے۔

"یہ فیصلہ عدالت پہ چھوڑ دیا جائے تو بہتر ہے۔" خلجی صاحب نے اس کو بے اختیار ٹوکا۔ پھر کٹہرے کے مزید قریب آئے۔ "کیا آپ اب بھی اپنے بیان پہ قائم ہیں؟"

"جو جس طرح ہوا' جو میں نے سنا' میں نے کورٹ اور پولیس کو بتا دیا۔ فیصلہ کرنا میرا کام نہیں ہے۔" وہ بے تاثر اور مطمئن کھڑی تھی۔

"اور جب آپ نے سن لیا تھا کہ ایک شخص آپ کو قتل کرنے جا رہا ہے تو آپ بھاگی کیوں نہیں؟"

"وہ میرا اسٹوڈنٹ تھا' میرا رشتہ دار تھا' مجھے یقین نہیں تھا کہ وہ مجھے مارے گا۔ میں اسے خالی دھمکی سمجھی تھی۔"

"مگر بعد میں آپ کو یقین آگیا؟"

"مجھے تین گولیاں لگی تھیں' میرے سامنے ایک لڑکی قتل ہوئی' کیا یقین نہیں آنا چاہیے تھا؟" وہ پرسکون ٹھنڈے انداز میں جواب دے رہی تھی۔

"یعنی آپ مانتی ہیں کہ آپ نے اس وقت گولی مارنے والے کی بات کو غلط جج کیا اور نہ بھاگ کر غلطی کی؟"

"بھاگ کر کہاں جاتی؟ سارا ریسٹورنٹ تو اوپن تھا۔ اور اس کے پاس اسنائپر (sniper) گن تھی۔" ایک کاٹ دار نظر سامنے بیٹھے فارس پہ ڈالی۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا' چبھتی ہوئی نظروں سے اور واپس خلجی صاحب کو دیکھا۔ "اس نے ایسی جگہ منتخب کی جہاں بھاگنے کا کوئی فائدہ نہ تھا۔"

خلجی صاحب نے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پہ نظر ڈالی' پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ "زمر صاحبہ! آپ کب سے پراسیکیوٹر ہیں؟"

"میرا خیال ہے' آپ کے کاغذ اور دماغ دونوں میں تاریخ درج ہو گی' بہرحال' ساڑھے تین سال سے۔"

"میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو مختصر رکھیے۔"

"پھر آپ کو چاہیے کہ آپ مجھ سے ڈبلیو کوئسچز نہ پوچھیں۔" (یعنی کیا' کیوں' کب' کہاں والے سوالات۔) خلجی صاحب نے اثر لیے بنا کاغذات کو پھر سے دیکھا۔ دو انگلیوں سے کان کی لو مسلتا فارس آنکھیں سکوڑے اسے دیکھ رہا تھا۔

"کیا یہ درست ہے کہ آپ اپنے جونیئرز میں ایک سخت گیر پراسیکیوٹر کے طور پہ مشہور ہیں؟"

"بالکل۔ اور کیسا ہونا چاہیے پراسیکیوٹر کو؟" اس نے گردن اکڑائی۔ وہ فارس کو نہیں دیکھ رہی تھی۔

"زمر صاحبہ' آپ جانتی ہیں کہ جب تک جرم ثابت نہ ہو جائے' قانون کے تحت ہم فارس غازی کو Presumed Innocent (ملزم) کہیں گے' مجرم نہیں۔ گو کہ آپ اسے مجرم ہی خیال کرتی ہیں۔"

"بالکل۔" سر اثبات میں ہلایا۔ فارس نے (ہونہہ) سر جھٹکا۔

"اور زمر! جب آپ کسی کو پراسیکیوٹ کرتی ہیں تو اس کو مجرم گردان کر ہی ایسا کرتی ہیں' درست؟"

"ثبوت اور شواہد اس کے خلاف ہوں تو' ہاں!" وہ ٹھنڈی اور پرسکون تھی۔

"میں آپ سے پھر درخواست کروں گا کہ اپنے جوابات کو ہاں یا ناں تک محدود رکھیں۔"

"یہ سوال پہ منحصر ہے۔"

خلجی صاحب نے ضبط سے گہری سانس لی۔ پھر اس کے سامنے آ کھڑے ہوئے۔ کمرہ عدالت میں سناٹا چھایا

تھا۔

"پچھلے ساڑھے تین سال میں آپ کے پراسیکیوٹ کیے گئے کیسز میں سے قتل کے سولہ مقدمات ایسے ہیں' جن کے فیصلے آچکے ہیں۔"

"جی!"

"اور ان میں سے سات فیصلے دفاع کے حق میں ہیں۔ یعنی کہ سولہ دفعہ آپ نے کہا کہ یہ شخص قاتل ہے' نو دفعہ عدالت نے کہا کہ ہاں یہ قاتل ہے' مگر سات دفعہ عدالت نے کہا کہ یہ قاتل نہیں ہے۔"

"سات دفعہ شواہد اور گواہیاں اتنی مضبوط تھیں کہ فیصلہ۔" وہ تصحیح کرنے لگی "مگر۔"

"ہاں یا نہیں' زمر صاحبہ!" قدرے بلند آواز سے یاددہانی کروائی۔ زمر نے گہری سانس بھری۔

"جی ہاں۔"

"یعنی کہ سات دفعہ آپ غلط ثابت ہوئیں۔ سولہ میں سات۔" انگلیوں پہ گنا۔ "تقریباً" پچاس فیصد تناسب نکلتا ہے۔ یعنی۔ آپ نے سات لوگوں کو پھانسی کی طرف لے جانا چاہا' مگر عدالت نے انہیں بے گناہ قرار دے دیا۔ اس تناسب سے آپ جتنے لوگوں کو قصوروار ٹھہراتی ہیں' ان میں سے آدھے تو بے گناہ نکلتے ہیں۔" زمر کے ابرو تن گئے اور فارس کے تنے اعصاب ڈھیلے ہوئے۔

"ہم سب جانتے ہیں کہ آپ الفاظ کے ہیر پھیر سے کام لے رہے ہیں' ورنہ ایسے نہیں ہوتا۔" وہ چیخ کر بولی۔ سعدی اپنے جوتوں کو دیکھ رہا تھا۔ فارس نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ناگواری سے خلجی صاحب کو دیکھا۔

"زمر صاحبہ! کیا یہ درست نہیں کہ آپ پراسیکیوشن آفس میں بیٹھ کر دفاع کی جانب سے کان بالکل بند کر لیتی ہیں' اور ایک دفعہ کسی کو مجرم گردان لیتی ہیں تو یہ ثابت کرنے کے لیے آخری حد تک جاتی ہیں؟"

"میں بغیر وجہ یا ثبوت کے کسی کو مجرم نہیں گردانتی۔" چبا چبا کر' سلگتی آنکھوں سے وہ انہیں دیکھ کر بولی۔ سامنے کھڑے خلجی صاحب نے اثبات میں سر ہلایا۔ پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذ دیکھے۔

"کیا یہ درست ہے کہ وارث غازی قتل سے چند روز قبل آپ نے ایک موک ٹرائل میں حصہ لیا تھا۔ سرکار بنام ہیری پوٹر!" اور زمر نے بری طرح چونک کر سامنے بیٹھے سعدی کو دیکھا۔ اس نے گردن مزید جھکالی۔ زمر کی آنکھوں میں بے یقینی' صدمہ' دھچکا' ہر شے ابھری تھی۔

"جی ہاں!" وہ دوبارہ خلجی صاحب کی جانب مڑی تو جیسے ڈھیروں غصے کو ضبط کر رہی تھی۔

"اس میں آپ نے ہیری پوٹر کو سیڈرک ڈگوری کا قاتل ثابت کروایا۔ کیا یہ درست ہے؟"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا!" گلابی پڑتی آنکھوں سے وہ غرائی تھی۔ مگر وہ اثر لیے بنا کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔

"جبکہ ہیری پوٹر کے چوتھے حصے میں درج اس واقعے کی تفصیل کے مطابق ہیری قاتل نہیں تھا۔"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا!" سختی سے کٹہرے کا جنگلہ پکڑے' وہ ضبط کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"زمر! میرا آخری سوال۔" کاغذ سے چہرہ اٹھا کر انہوں نے سادگی سے پوچھا۔ "کیا ہیری کو پراسیکیوٹ کرنے سے قبل آپ نے وہ چوتھا حصہ پڑھا تھا؟"

"وہ ایک موک ٹرائل تھا' خلجی صاحب!" اس کی آواز کانپی۔

"اس چوتھے حصے کے مطابق' ہیری بے گناہ تھا یا گناہگار؟"

اور فارس بے چینی سے سعدی کی طرف جھکا۔

"وکیل کو منع کرو۔ اس کے ساتھ یوں نہ کرے۔ وہ ایک عورت ہے۔"

سعدی نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ "اتنی ہمدردی تھی تو گولی کیوں ماری؟"

فارس نے جواباً غصے سے اسے گھورا۔

"کیا نہیں ماری تھی؟ تو اگر کوئی یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو کرنے دیں۔" اور پھر سے قدموں

میں دیکھنے لگا۔

"وہ تمہاری پھپھو ہیں۔" اس نے گویا ملامت کی۔

"اور مجھ سے زیادہ مضبوط ہیں' سہہ لیں گی۔"

اور خلجی صاحب کہہ رہے تھے۔

"میں آپ سے ایک سادہ سی بات پوچھ رہا ہوں۔ ہیری پوٹر کی چوتھی کتاب کے تحت' ہیری پوٹر' جس کو آپ نے سزا دلوائی بھی گناہ گار تھا یا بے گناہ؟" لب بھینچے' زمر نے سرخ ہوتی آنکھیں خلجی صاحب پہ جمائیں' چند لمحے منتظر سی خاموشی چھائی رہی۔

"بے گناہ!" ایک لفظ بولا۔ جج نے قلم سے کاغذ پہ کچھ نوٹ کیا' خلجی صاحب "دیٹس آل" کہتے پیچھے کو ہٹے' مگر وہ ان سے پہلے پرس کندھے پہ ڈالتی نیچے اتر آئی۔ سعدی کے قریب سے گزرنے لگی تو اس نے سر اٹھا کر دیکھا' زمر نے ملامتی' کاٹ دار نظر اس پہ ڈالی اور آگے چلتی چلی گئی' یہاں تک کہ وہ کمرہ عدالت سے باہر تھی۔ کوئی اسے روک کے دکھائے تو اس کی ماں اسے روئے۔

راہداری میں چلتے ہوئے اس کا چہرہ احساس توہین سے سرخ ہو رہا تھا۔ بار بار وہ کنپٹی مسلتی۔ سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ واپس اپنے آفس آئی اور اندر جو بھی بیٹھا تھا اس کو "باہر جاؤ' فوراً" کہہ کر بھیجا اور کرسی پہ گر سی گئی۔ آنکھیں گلابی پڑ رہی تھیں۔ سر درد الگ۔ پتا نہیں کتنی دیر وہ ادھر بیٹھی رہی' پھر پرس اور چابیاں اٹھا کر باہر نکلی۔ راہداری میں ابھی آگے آئی ہی تھی کہ سامنے سے دو اہلکار' ہتھکڑی لگے فارس کو لے کر آرہے تھے' اس کے ہاتھوں سے بندھی زنجیریں سپاہیوں کے ہاتھوں سے جڑی تھیں۔ سماعت ختم ہو چکی تھی۔

اسے قریب آتا دیکھ کر وہ رکا' گردن ترچھی کر کے سپاہی کو دیکھا۔

"نذر اسلام! تمہاری بیوی کا نام رخسانہ ہے' چار بچے ہیں تمہارے' سیٹلائٹ ٹاؤن کے پاس گھر ہے تمہارا' اگر تم نے مجھے پراسیکیوٹر سے بات کرنے سے روکا' تو یاد رکھنا' جس دن چھوٹوں گا' سب سے پہلے تمہارے گھر جاؤں گا۔" ایک کاٹ دار نظر اہلکار پہ ڈالی جو بے بسی سے خشک لبوں پہ زبان پھیر کر رہ گیا۔ وہ چلتی ہوئی قریب آرہی تھی' اسے دیکھا تو رخ پھیر کر نکلنے لگی' مگر۔

"آپ نے کہا' آپ میرے ساتھ کھڑی ہوں گی' میری وکیل بنیں گی۔" زمر رکی' چونک کر اسے دیکھا۔ وہ وسط راہداری میں' ہتھکڑیوں میں کھڑا' بہت ضبط سے اسے دیکھتے کہہ رہا تھا۔

"اس ریکارڈنگ میں آپ نے کہا' آپ میرا ساتھ دیں گی' حالانکہ آپ کو بتایا جا رہا تھا کہ میں نے وارث کو مارا ہے۔" وہ چند قدم مزید قریب آیا۔ دونوں اہلکار ساتھ کھنچے آئے۔ راہداری میں سے گزرتے لوگ رک کر دیکھنے لگے۔ زمر لب بھینچے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا اور سانس تیز ہو رہی تھی۔ وہ دو قدم مزید آگے آیا۔ ان ہی غصے بھری آنکھوں سے اسے دیکھتے بولا۔ "بھائی کو مارا تو خیر تھی' بات سننے کو تیار تھیں آپ' مگر آپ کو مارا تو اصول بدل گئے' ہاں؟"

وہ چبھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ پہلو میں گرے ہاتھ سے پرس کو زور سے بھینچا۔ ضبط سا ضبط تھا۔

"آپ نے کہا' ادھر کٹہرے میں۔" ہتھکڑی والے ہاتھ سے کمرہ عدالت کی سمت اشارہ کیا۔ "میری جگہ کوئی بھی ہوتا تو یہی کرتا' سچ کہا' مگر آپ کوئی نہیں تھیں' آپ زمر تھیں!" انگلی اٹھا کر' پیچھے ہٹتے اس نے غصے اور درد سے بھری آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"آپ سے' کم از کم آپ سے مجھے امید تھی کہ آپ مجھے سنیں گی' مگر آپ نے سب سے پہلے میری امید توڑی۔" اور وہ پیچھے ہٹتا گیا۔ "میں بے گناہ تھا میڈم زمر! میں بے گناہ تھا!"

غصے کی جگہ ان آنکھوں میں دکھ ابھر آیا اور پھر وہ پیچھے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ وہ لوگ اسے لیے مڑ گئے' مگر اس کی آنکھیں۔ وہ ہر جگہ نقش تھیں۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا' پر رک کر اسے دیکھتے شخص کے اوپر وہی آنکھیں چسپاں تھیں۔ وہ تیز تیز چلتی دوسری

سمت بڑھنے لگی۔ اس کا سانس اب بھی بے ترتیب تھا اور آنکھوں کا گلابی پن بڑھتا جا رہا تھا۔

گھر آکر اس نے ابا' صداقت' کسی سے کوئی بات نہیں کی۔ کھانا بھی نہیں کھایا۔ کمرے میں بند ہو گئی۔ ڈاکٹر کی اپائنٹمنٹ پہ بھی نہیں گئی۔ بس بستر پہ چت لیٹی چھت کو دیکھتی رہی۔ پھر شام ڈھلے اسٹڈی ٹیبل پہ آبیٹھی' اور کچھ فائلز کو پڑھتی رہی۔ رات دیر تک اس کے کمرے کا یہی منظر رہا۔ کب سر فائل پہ رکھے وہ سو گئی' اسے پتا بھی نہیں چلا۔

☆ ☆ ☆

کیا گزرتی ہے بھری دنیا میں تنہا شخص پر
ایک لمحے کے لیے خود سے بچھڑ کر سوچنا

رات کا دوسرا پہر تھا شاید' جب اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ایک دم اٹھ بیٹھی۔ کمرے میں اندھیرا تھا۔ لیمپ جانے کب بجھ گیا۔ شاید بجلی چلی گئی تھی۔ وہ بال لپیٹتی اٹھی۔ بتی جلائی۔ یو پی ایس نے کمرہ روشن کر دیا۔ وہ قدم قدم چلتی شیلف تک آرکی۔ وہاں سیاہ جلد والی موٹی موٹی قانون کی کتابیں رکھی تھیں۔ زمر نے ہاتھ اٹھا کر ان کو چھوا۔ آنکھوں میں کرب ابھرا۔ پھر وہ مزید دائیں جانب آئی۔ یہاں الماری تھی۔ اس نے پٹ کھولا۔ جوتوں والے خانے میں ایک ڈبہ رکھا تھا جس میں چند ایک تراشے اور کاغذ پڑے تھے۔

یہ ڈھائی سال قبل اس نے جمع کیے تھے۔ پھر چھوڑ دیے۔ یہ تکلیف دیتے تھے اور وہ تکلیف سے بچنا چاہتی تھی' پھر بھی بچ نہیں پاتی تھی۔ مگر جو تکلیف' ہتک' ذلت' آج اٹھانی پڑی تھی۔ بھری عدالت میں۔ اس نے ڈبے کو چھوئے بنا الماری بند کر دی اور باہر نکل آئی۔

گھر ویران' اندھیرا پڑا تھا۔ اور سرد بھی۔ وہ باہر لان میں آگئی۔ برآمدے کے اسٹیپ پہ بیٹھی۔ ایک گال گھٹنوں پہ رکھے' دور گھاس اور پودوں کو تکتی' خاموش بیٹھی رہی۔ لمحے چپ چاپ کٹتے رہے' پھسلتے رہے' یہاں تک کہ فجر اترنے لگی' تب زمر اٹھی اور لان کے کنارے تک آئی۔ یہاں پودوں کو پانی دینے کے لیے ٹونٹی لگی تھی۔ اس نے وہی کھولی' ٹھنڈے یخ پانی سے وضو کیا اور وہیں گھاس پہ کھڑے نماز کی نیت باندھ لی۔

آخری سجدے کے بعد' التحیات پڑھ کر سلام پھیرا تو دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے' مگر پھر گرا دیے۔ چپ چاپ سجدے کی جگہ کی گھاس کو دیکھتی رہی۔ اس پہ انگلی پھیرتی رہی۔ سخت سردی میں بغیر سویٹر کے وہ کتنی ہی دیر وہاں بیٹھی رہی۔

وہ رات اس حوالاتی کوٹھری میں بھی آنکھوں میں کاٹی گئی تھی۔ وہ ذرا سا کونہ جہاں برآمدے کی بتی کی مدھم روشنی گرتی تھی' آج فارس ادھر نہیں لیٹا تھا۔ وہ دوسری دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا۔ اکڑوں' سر دیوار سے ٹکائے' آنکھوں کی پتلیاں سکیڑے دور سلاخوں کے پار دیکھ رہا تھا۔ باہر فجر ابھی تک تازہ تھی۔ پہرے دار ٹہل رہے تھے۔ باتیں کر رہے تھے۔ چند ایک کوٹھریوں میں سے آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔ احمر جمائی لیتا' آنکھیں مسلتا اٹھ بیٹھا' پھر ادھر ادھر دیکھا۔

"غازی بھائی۔ ادھر کیوں بیٹھے ہو؟ سوئے نہیں کیا؟"

"اونہوں!" وہ باہر دیکھتا رہا۔ یقیناً" وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ احمر لبوں پہ ہاتھ رکھ کر جمائی روکتا سیدھا ہو کر بیٹھا۔ فارس اس سے چند قدم ہی دور تھا۔

"کیا بات ہے؟ نماز نہیں پڑھی؟"

"پڑھ لی۔"

"اس نماز کا کیا فائدہ جس کے آخر میں کوئی دعا ہی نہ مانگی جائے؟ چار سجدے کیے' اور اٹھ گیا۔" پھر وہ خود ہی ہنسا' مگر جب فارس نے ہنسی کا جواب نہیں دیا تو وہ چپ ہو گیا۔

"برے حالوں میں لگ رہے ہو آپ۔" وہ آنکھیں جھپکا جھپکا کر غور سے اسے دیکھنے لگا۔ پھر قریب کھسک آیا۔

"کیا سوچ رہے ہو؟ آپ پریزن رائٹس کے بارے میں؟"

خلاف معمول فارس بیزار نہیں ہوا' ہلکی سی نفی

میں گردن ہلائی۔

"پھر کیا چڑیل کے بارے میں؟ کل کورٹ میں پیش ہوئی تھی نا؟"

"ہاں!" فارس نے اثبات میں سر ہلایا۔

"آپ نے بتایا ہی نہیں کل سے کہ کیا ہوا۔ کیا اس نے وہی کہا جو پہلے کہہ چکی تھی یا' کچھ نیا تھا اس میں؟"

"سب پرانا تھا۔"

"تو اتنے اپ سیٹ کیوں ہو؟"

"عدالت نے نو مہینے بعد کی تاریخ دی ہے۔" تکلیف سے کہتے اس نے گردن پھیر کر احمر کو دیکھا جس کے لب اوہ میں سکڑے۔

"نو مہینے اسٹیپنی! نو مہینے میں ایک پیشی کا انتظار نہیں کر سکتا۔"

"مگر۔ آج تو سب کچھ آپ کے حق میں گیا تھا نا۔"

"مجھے بھی یہی لگا' سعدی کو بھی' مگر جب جج نے اگلی تاریخ دی تو میرے وکیل نے بھانپ لیا کہ جج بک چکا ہے۔" تکان سے کہتے اس نے آنکھوں کے درمیان کی ہڈی مسلی۔ "اتنے مہینے کے انتظار' جس کی اتنی راتیں' مگر انصاف کی کوئی امید نہیں۔"

احمر نے گردن پھیر کر روشنی والا کونہ دیکھا جو آج خالی پڑا تھا۔

"مجھے بھی لمبی تاریخ مل گئی ہے۔" وہ تھوڑی دیر بعد منہ بسورے بولا تو فارس نے چونک کر اسے دیکھا۔

"مگر تمہارا وکیل تو ہاشم ہے۔"

"ہاشم اپنے والد کے مجبور کرنے پہ میرے لیے کوشش کر رہا تھا۔ مگر اسے اندر سے مجھ سے کوئی ہمدردی نہیں' شروع شروع میں اس نے یوں ظاہر کیا کہ بس میں رہا ہوا کہ ہوا' مگر۔ اب تک اورنگ زیب کاردار مجھے بھولنے لگے ہیں۔" پہلی دفعہ وہ بے فکر اور لاپروا نہیں لگا تھا' اسے جیسے اب واقعی فکر ہونے لگی تھی مگر وہ اسے چھپانے کی سعی کر رہا تھا۔

فارس نے کرب سے سر جھٹکا۔

"پھر اب آپ کیا کریں گے؟"

"تم کیا کرو گے؟ بلکہ۔" وہ ایک دم احمر کو دیکھنے لگا۔

"بلکہ ہم کیا کریں گے؟" تو وہ جو ہنوز اداس بیٹھا تھا' چونکا' پھر پیچھے کو ہٹا۔

"ایسے کیوں دیکھ رہے ہیں مجھے؟" مشکوک انداز میں اسے گھورا۔

فارس کچھ کہے بنا اس کو دیکھتا رہا۔

"نہیں' بالکل نہیں۔" احمر نے جلدی سے ہاتھ اٹھا دیے۔ "میں وہ نہیں کرنے والا جو آپ سوچ رہے ہیں۔"

"میرے پاس ایک پلان ہے اسٹیپنی' اگر تم سننا چاہو تو!"

"بالکل بھی نہیں' ہم ایسا کچھ نہیں کریں گے' عدالت پہ یقین رکھیں' بس!" بگڑ کر کہتا وہ پرے لیٹ گیا۔ فارس اسے دیکھ رہا تھا' اس نے گھبرا کے کروٹ بھی بدل لی۔

باہر فجر میں ایک ویران صبح کی روشنی گھلتی گئی۔

☼ ☼ ☼

واجب القتل اس نے ٹھہرایا۔
آیتوں سے' روایتوں سے مجھے

جسٹس مکرم کے چیمبرز میں خاموشی چھائی تھی۔ ہیٹر نے ماحول کو گرم اور خشک کر رکھا تھا۔ زمر سامنے سر جھکائے بیٹھی تھی اور وہ اپنی کرسی پہ براجمان' عینک کے پیچھے سے اسے دیکھ رہے تھے۔

"مجھے پراسیکیوشن آفس سے استعفیٰ دے دینا چاہیے!" بہت دیر بعد اس نے سر اٹھایا تو آنکھوں میں تکان تھی۔ گھنگریالی لٹیں دونوں طرف سے گالوں کو چھو رہی تھیں۔

انہوں نے فکر مندی سے اسے دیکھا۔ "تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے زمر؟"

"یہی کہ میں ایک اچھی پراسیکیوٹر نہیں ہوں۔ میرے خیالات فکسڈ ہو چکے ہیں' اور میں تصویر کا دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔" وہ یاسیت بھری آنکھیں ان پہ جمائے' بدقت ایک ایک لفظ ادا کر پائی۔

جسٹس مکرم نے مایوسی سے نفی میں سر ہلایا۔

"سب سے برے مریض ڈاکٹر ہوتے ہیں' اور سب سے برے گواہ خود وکیل بنتے ہیں۔ تم نے یہ ثابت کردیا۔" پھر قدرے آگے کو جھکے۔ "مجھے' بلکہ پوری کچہری کو معلوم ہے کہ کل تمہارے ساتھ کیا ہوا۔ دفاعی وکیل گواہ کو ڈس کریڈٹ کرنے کے لیے ہر قسم کا ہتھکنڈا استعمال کرتے ہیں۔ مجھے امید نہیں تھی کہ تم اس وکیل کی بات دل پہ لے لوگی۔"

"وہ میرے راستے میں آیا اور اس نے میری آنکھوں میں دیکھ کر کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔"

وہ چونکے۔ "کون؟"

"فارس۔" وہ کہہ کر چپ ہوگئی۔ چند ثانیہ کو چیمبر میں سناٹا چھا گیا۔

"کیا اس نے یہ پہلی دفعہ تم سے کہا؟"

"میں ڈھائی برس تک اس سے ملنے سے انکار کرتی رہی' اس لیے نہیں کہ مجھے تکلیف ہوتی ہے' اس لیے بھی نہیں کہ کوئی مجھے ثبوت کیوں نہیں لاکر دیتا۔ یہ وہ بہانے تھے جو میں بناتی تھی' صرف اس لیے کہ مجھے معلوم تھا' اگر وہ میرے سامنے آیا اور کہا کہ وہ شرمندہ ہے تو میں اسے معاف کردوں گی۔ مگر کل وہ سامنے آیا تو کہا کہ وہ بے گناہ ہے۔ اور میں نے سن بھی لیا۔"

"اور کیا مان بھی لیا؟"

اس بات پہ زمر نے ٹھنڈی سانس بھری اور گردن جھکا کر اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

"میں کنفیوز ہوگئی ہوں۔"

"جیسا کہ دفاعی وکیلوں کی خواہش ہوتی ہے' اگر کونینس نہ کرسکو تو کنفیوز کردو۔" وہ قدرے ناراض نظر آنے لگے۔ زمر نے نفی میں گردن ہلائی۔

"شاید وہ ٹھیک ہیں۔ میں اپنے غم' بیماری اور ٹراما میں خود غرض ہوگئی ہوں۔ میں نے دوسری طرف کی کہانی سننا چھوڑ دی ہے۔ مجھے اس کی بات سننی چاہیے تھی۔ وہ قاتل تھا یا نہیں' مجھے اس سے ملنا چاہیے تھا۔"

"تمہاری جگہ کوئی دوسرا بھی ہوتا تو یہی کرتا۔"

"مگر میں کوئی دوسری عورت نہیں تھی۔ میں زمر تھی۔ مجھے اپنے جذبات ایک طرف رکھنے چاہیے تھے۔"

انہوں نے جواباً "اکتا کر ناک سے مکھی اڑائی۔

"یہ کتابی باتیں ہیں' کوئی بھی انسان اتنا غیر جانب دار نہیں ہوسکتا۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے دوست وکلاء ہم ججوں کے سامنے پیش ہونے سے یہ کہہ کر معذرت نہ کرلیتے کہ یہاں Conflict of interest آگیا ہے۔ وکیلوں کے بھی جذبات ہوتے ہیں۔"

"اور بطور ایک جج آپ کو کیا لگتا ہے؟ سرکار بنام فارس غازی میں مجرم کون ہے؟" وہ بالکل خالی نظروں سے ان کو دیکھتی پوچھ رہی تھی۔

"جتنا میں نے اس کیس کے بارے میں سن رکھا ہے' میرا خیال ہے فارس غازی مجرم ہے۔" عینک کے بازو کا کنارہ دانتوں میں دبائے وہ کندھے اچکا کر بولے۔

"کیونکہ ثبوت اس کے خلاف ہیں؟ مگر قانون تو یہ کہتا ہے کہ عدالت کا فیصلہ آنے تک ملزم کو "مجرم" نہ کہا جائے بلکہ اسے Presumed Innocnet سمجھا جائے۔" وہ بہت تکلیف میں بول رہی تھی۔

"یہ درست ہے۔"

"اور قانون یہ بھی کہتا ہے کہ اگر ایک طرف ملزم کے خلاف شواہد کا پہاڑ ہو' مگر دوسری جانب اتنا ذرا سا۔" انگوٹھا اور انگشت شہادت قریب کرکے بتایا۔

"اتنا ذرا سا بھی شک ہو' Reasonable Doubt ہو' تو ہمیں ملزم کو بری کردینا چاہیے' کیونکہ سو گناہگاروں کو بری کردینا ایک معصوم کو سزا دینے سے بہتر ہے۔" اور پھر وہ خاموش ہوگئی۔ چند لمحے اسی سناٹے میں پھسل گئے۔

"میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا' اور وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا' سر۔"

عینک کا ہینڈل چباتے ہوئے انہوں نے ہنکارا بھرا۔

"ہوں' تو تمہیں کیا ڈر ہے؟"

"اگر میری وجہ سے ایک بے گناہ آدمی کو سزا ہوئی تو

میں زندگی میں کبھی دوبارہ لاء میں پریکٹس نہیں کر سکوں گی۔"

جسٹس مکرم آگے کو ہوئے، سوچتے ہوئے عینک کے کنارے سے میز پہ نادیدہ لکیریں کھینچیں۔

"تو پھر؟ کیا وہ بے گناہ ہے؟"

"میرے پاس بہت کچھ ہے جو اس کو مجرم ثابت کرتا ہے میری نظروں میں، مگر اس کے پاس Reasonable Duobt ہے اور اگر میں ان دونوں کو ان پلڑوں میں رکھوں۔" میز پہ رکھے ڈیکوریشن ترازو کی سمت اشارہ کیا۔ "تو رتی بھر شک کا پلڑا ہمیشہ جھک جائے گا۔"

"شک کیا ہے؟"

"وہ آواز جو میں نے سنی، وہ جعلی تھی۔ یہ میرے لیے ماننا بہت مشکل ہے، آپ کے لیے بھی ہو گا، لیکن۔" وہ بے چینی سے آگے کو ہوئی۔ "اب دو باتیں ہیں۔ اول، قاتل فارس ہی تھا اور یہ آڈیو ردوبدل کے بعد پیش کی گئی ہے، اسی لیے وہ لوگ اس کا سورس نہیں بتا رہے۔ دوم، (ایک گہری سانس لی) آڈیو اصلی ہے، وہ فارس نہیں تھا، وہ ایک جعلی آواز تھی۔"

"تمہارا دل کیا کہتا ہے؟"

"دل سے آخری فتویٰ لیا جاتا ہے، پہلا نہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہی مجرم ہے، اسی نے کیا ہے یہ سب۔ لیکن۔" اور یہیں آ کر اس کا پورا وجود کرب میں مبتلا ہو جاتا۔

"تمہارے دل میں شک آ گیا ہے۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اور تم نے اس کا حل یہ سوچا کہ تم فرار ہو جاؤ؟ استعفیٰ دے کر؟"

"میں فرار نہیں ہو رہی۔ میں شاید اس کرسی کی مستحق نہیں ہوں۔ شاید پراسیکیوشن کی کرسی پہ بیٹھ کر میں دوسرا رخ دیکھنا چھوڑ چکی ہوں۔"

"جب عدالت میں اس وکیل نے یہ کہا کہ تمہارے اتنے کیسز کے فیصلے تمہارے خلاف آئے ہیں، تو تم نے اسے سچ کیوں نہیں بتایا؟"

"اور سچ کیا تھا؟" وہ اداسی سے مسکرائی۔

"یہ کہ ان کیسز میں ملزم بری اس لیے ہوئے تھے، کہ کبھی گواہ ڈر گئے یا بک گئے، کبھی جج ہمت نہ کر سکے، کبھی ثبوت نہیں تھے، کبھی شک کا فائدہ دیا گیا۔ میں روز کتنے ہی ایسے کیسز میں لوگوں کو بری کرتا ہوں، جہاں مجھے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ملزم ہی مجرم ہے مگر میرے سامنے اتنے ثبوت ہی پیش نہیں کیے جاتے جو ان کو جیل میں روک سکے۔ پراسیکیوٹر کا کام حقائق اور شواہد سامنے لانا ہوتا ہے، اور تم ایک بہترین پراسیکیوٹر ہو زمر!" پھر گہری سانس لے کر پیچھے ہوئے۔

"رہا فارس غازی کا کیس، تو اس کے خلاف اتنے ثبوت ہیں کہ تم نہ گواہی دیتیں، تب بھی وہ جیل میں ہوتا۔ پھر بھی اگر تمہیں لگتا ہے کہ اس کے بے گناہ ہونے کا ذرا سا بھی چانس ہے، تو تم اپنی گواہی واپس لے لو، اور جا کر ایک دفعہ اس کی بات سن لو۔ اگر وہ کہے کہ وہ بے گناہ ہے تو یقین مت کرنا، کیونکہ سب ملزم یہی کہتے ہیں۔ لیکن اگر اس کے علاوہ کوئی اور بات کہے تو دھیان سے سن لینا۔"

زمر نے اثبات میں سر ہلایا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تھینک یو سر! میں بہتر محسوس کر رہی ہوں۔ میں اپنی گواہی واپس لے لوں گی گو کہ مجھے ابھی تک خود پہ یقین ہے، مگر اس کیس سے الگ ہونے کے لیے میں یہ ضرور کروں گی۔" کہتے ہوئے وہ پہلی دفعہ قدرے سکون سے مسکرائی۔ وہ واقعی بہتر محسوس کر رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

اب کہ ہم بچھڑے تو شاید کبھی خوابوں میں ملیں
جس طرح سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

جیل کے برآمدے میں معمول کی آوازیں گونج رہی تھیں۔ صحن میں قیدی ادھر ادھر چلتے پھرتے، کام کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ایک کونے میں، سرما کی دھوپ سے بے نیاز، وہ دونوں بھی موجود تھے۔ فارس ٹانگ موڑ کر، دیوار سے ایک پاؤں لگائے کھڑا تھا، اور احمر اس کے سامنے کھڑا سینے پہ بازو لپیٹے، دھوپ کے

باعث آنکھیں چندھیا کر اسے دیکھ رہا تھا۔

"پریشان ہو اسٹیپنی!"

"نہیں یار!" احمر نے بے چینی سے سر جھٹکا اور پتلیاں سکیڑ کر دور سفید کپڑوں والے قیدیوں کو دیکھنے لگا۔

"اے!" فارس نے اس کے چہرے کے آگے ہاتھ ہلایا۔ "مسئلہ ہے کوئی؟"

"ہاشم اس سماعت پہ نہیں آیا۔ ٹالے جا رہا ہے۔ اگلے ہفتے بھی معلوم نہیں آئے یا نہیں۔" اور ان ڈھیر سارے دنوں میں پہلی دفعہ وہ مایوس نظر آنے لگا تھا۔

"ہاشم کے وعدوں پہ رہو گے تو یہی ہو گا۔" پھر ادھر ادھر سرسری سا دیکھا اور احمر کے قدرے قریب ہوا۔ "مجھے یا تمہیں کوئی عدالت یہاں سے نہیں نکالے گی۔ اب بھی وقت ہے، میرے پلان کے بارے میں سوچو۔"

احمر نے ہلکا سا اثبات میں سر ہلایا۔ فارس نے ہاتھوں میں پکڑا کاغذ کا ٹکڑا منہ میں ڈالا اور چباتے ہوئے گردن موڑ کر سامنے دیکھنے لگا۔ ایک اہلکار اسی طرف آ رہا تھا۔

"تمہاری ملاقات آئی ہے غازی۔" اس نے فارس کو مخاطب کیا۔

"کون ہے؟" کاغذ چباتے اکتاہٹ سے پوچھا۔

"پراسیکیوٹر صاحبہ۔"

کاغذ اس کے حلق میں پھنس گیا، ہلتے جبڑے رکے، چونک کر اسے دیکھا، پھر احمر کو۔ وہ بھی ایک دم سیدھا ہوا تھا۔

"چڑیل آئی ہے؟ آپ سے ملنے؟" شاک اتنا شدید تھا کہ وہ اسے ٹوک بھی نہ سکا۔ بس کاغذ منہ سے اگلا اور خاموشی سے سپاہی کے پیچھے ہو لیا۔

جب وہ اس کمرے میں داخل ہوا تو میز کے اس پار کرسی پہ وہ بیٹھی تھی۔ گھنگریالے بال آدھے کیچر میں بندھے تھے، ٹانگ پہ ٹانگ جمائے، شال کندھوں کے گرد اور بار بار کلائی کی گھڑی دیکھتی۔ آہٹ پہ نظریں اٹھائیں۔ وہ چھوٹے قدم اٹھاتا آیا اور اس کے سامنے بیٹھا۔ بال ویسے ہی پونی میں تھے، اور شیو ہلکی ہلکی سی نظر آتی تھی۔

"لانگ ٹائم میڈم!" آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھ رہا تھا۔

زمر نے سر کو ہلکے سے اثبات میں جنبش دی۔

"لانگ ٹائم فارس!"

اور تیکھی نظریں اس پہ مرکوز کر دیں۔ ہاتھ گود میں رکھ لیے تھے، اور مٹھیاں ضبط سے بھینچ لی تھیں۔ ذہن کے پردوں پہ وہی آوازیں گونجنے لگیں۔ (میں تمہیں صرف ایک گولی ماروں گا زمر۔ آئی ایم سوری۔) اس نے ان تکلیف دہ یادوں کو ذہن سے جھٹکنا چاہا، مگر یہ آسان نہ تھا۔

"سو؟" دونوں آمنے سامنے بیٹھے تھے اور وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا، منتظر تھا۔

"میں تمہیں سننے آئی ہوں۔ تم ڈھائی سال سے یہی درخواست کرتے رہے ہو نا۔ تو اب میں یہاں ہوں۔ کہو جو بھی کہنا ہے۔"

فارس کے لبوں پہ تلخ مسکراہٹ بکھری۔

"دیر کی آپ نے آنے میں۔ اب مجھے آپ کے قانون سے کوئی امید نہیں رہی۔"

وہ خاموشی سے اسے دیکھے گئی۔

"بتاؤں کیا کہنا ہے مجھے آپ سے؟" وہ ہاتھ ملا کر میز پہ رکھے آگے کو جھکا اور چبا چبا کر ہر لفظ ادا کیا۔ "یہی کہ میری بیوی کی موت کی ذمہ دار آپ بھی ہیں۔ آپ کو چاہیے تھا کہ آپ اس کا ہاتھ پکڑتیں اور وہاں سے بھاگ جاتیں، آپ کو اسے بچانا چاہیے تھا اس کی حفاظت کرنا چاہیے تھی، مگر اپنی دوسروں کو قائل کرنے کی صلاحیت پر یقین کر کے آپ نے اسے بھی نقصان پہنچایا اور خود بھی۔" زمر اب کہنی کرسی کے ہتھے پہ رکھے، انگلی ٹھوڑی تلے جمائے، اسے دیکھ رہی تھی۔

"میرے پاس اپنے دفاع میں کہنے کو کوئی لمبی چوڑی بات نہیں ہے۔ دل اچاٹ ہو گیا ہے اس قانون سے۔ صرف اتنا کہوں گا کہ تین سال آپ کے شہر میں

گزارے' اتنا تو جانتی تھیں آپ مجھے کہ ایک دفعہ میری بات سن لیتیں۔ اتنا تو یاد رکھتیں کہ آپ میری ٹیچر تھیں۔ ایک دفعہ تو تصویر کا دوسرا رخ دیکھتیں۔"

وہ پھر رکا کہ شاید وہ کچھ بولے مگر وہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ ناک کی لونگ ہنوز دمک رہی تھی۔ فارس نے اس لونگ پہ نظریں جمائیں تو لہجے کی کڑواہٹ زائل ہونے لگی۔ اعصاب قدرے ڈھیلے پڑے۔

"مجھے قاتل سمجھتی ہیں تو سمجھیں میڈم! جو دل میں آئے سمجھیں' مگر ایک دفعہ میرے کیس کو ضرور دیکھیں' اور وہ بھی خود دیکھیں۔" وہ واپس پیچھے ہوا۔

"کچھ کہیں گی نہیں آپ؟" اب کے اس کا لہجہ دھیما تھا۔ نرم تھا۔

"میں کہنے نہیں' سننے آئی تھی۔ کیونکہ اگر کہنے پہ آئی تو آواز باہر تک جائے گی۔" وہ گہری سانس لیتی ٹھنڈے انداز میں اٹھ کھڑی ہوئی۔ سپاٹ نظروں سے اس کی آنکھوں کو دیکھا۔

"یقیناً" تم کہہ چکے ہو جو کہنا تھا' سو ملاقات ختم ہوئی۔" اور کرسی دھکیل کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔

فارس نے بے حد تکلیف سے اسے جاتے دیکھا' اور پھر آنکھیں میچ کر گردن جھکالی۔

جب وہ واپس آیا تو احمر صحن کے اس کونے میں منتظر سا ٹہل رہا تھا۔ اسے آتے دیکھ کر بے چینی سے لپکا۔

"کیا کہہ رہی تھی چڑیل؟" امید اور خوشی سے اس نے پوچھا۔

"وہ اپنے ضمیر کو مطمئن کرنے آئی تھی' ورنہ اسے اب بھی یقین ہے کہ میں مجرم ہوں۔" احمر کی آنکھوں میں الجھن ابھری۔

"مگر۔ کہا کیا اس نے؟"

"کچھ نہیں' کیونکہ اگر وہ کچھ کہے گی تو آوازیں باہر تک جائیں گی۔" وہ دیوار سے کمر لگا کر کھڑا ہو گیا۔ انداز ڈھیلا ڈھیلا سا تھا۔

"لیکن وہ آئی تو سہی نا۔ آہستہ آہستہ ہی انسان پگھلتا ہے۔"

"وہ پھر نہیں آئے گی اسٹیپنی۔ مجھے ایک موقع ملا اور میں نے وہ بھی گنوا دیا۔ اسے قائل نہیں کر سکا میں۔" وہ گردن موڑ کر' آنکھیں سکیڑے دھوپ کی سمت دیکھنے لگا۔ امید کی کرنیں اب سورج سے بھی نکلنا بند ہو گئی تھیں۔

"لیکن چڑیل کو چاہیے تھا کہ۔"

"اگر تم نے ایک دفعہ پھر اس کو چڑیل کہا تو میں اپنا ہاتھ تمہارے جبڑے تک لے جانے پہ مجبور ہو جاؤں گا اور اس کے نتیجے میں تم اپنے دو تین دانت گنوا دو گے۔"

وہ جتنے تحمل سے بولا تھا' احمر کی چلتی زبان اسی تیزی سے بند ہوئی۔ پھر ہونہہ کہہ کر سر جھٹکا۔

☆ ☆ ☆

سیف انداز بیاں رنگ بدل دیتا ہے!
ورنہ دنیا میں کوئی بات نئی بات نہیں

زمر گھر میں داخل ہوئی تو لاؤنج سے آوازیں آ رہی تھیں۔ حنین آئی ہوئی تھی۔ وہ اسی طرف آ گئی۔

بڑے ابا وہیل چیئر پہ بیٹھے مسکرا کر اسے دیکھ رہے تھے۔ اور حنہ صوفے پہ پیر اوپر کر کے بیٹھی' ان کو کسی کورین ڈرامے کی کہانی سنا رہی تھی۔ خوب مزے سے' مسکرا مسکرا کر' آنکھیں گھما گھما کر۔ زمر کو چوکھٹ پر دیکھ کر اس کی بولتی بند ہوئی۔ سنجیدہ ہو کر پاؤں اتارے۔ آہستہ سے سلام کیا۔ ابا نے مڑ کر دیکھا۔ وہ تھکی تھکی سی سامنے صوفے پہ آ بیٹھی۔

"تمہیں دیر ہو گئی آج؟" انہوں نے پوچھا۔ حنین سر جھکا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھنے لگی۔

"میں کورٹ سے سیدھی جیل چلی گئی تھی۔ فارس سے ملنے۔"

حنین نے کرنٹ کھا کر سر اٹھایا۔ وہ سرسری سا بتا کر' صداقت کو آواز دینے لگی کہ اس کی چیزیں لے جائے۔

"فارس سے۔ کیا بات ہوئی؟" ابا کے بے یقین

الفاظ اٹکے۔

"وہ چاہتا تھا میں اس کو سنوں' میں نے سن لیا۔"

صداقت اندر آیا تو وہ اسے چیزیں تھمانے لگی۔ حنہ جلدی سے آگے ہوئی' ساری ناراضی بھلا کر تیزی سے پوچھا۔

"اور کیا مان بھی لیا؟"

"اس نے کہا کہ وہ بے گناہ ہے اور جیل میں کوئی ایسا شخص مقید نہیں جو یہ فقرہ منتر کی طرح نہ دہراتا ہو۔" وہ تکان سے کنپٹی مسل رہی تھی۔

"پھپھو! میں ان کے ساتھ تھی' میں نے پولیس کو بھی بتایا تھا' وہ بے گناہ ہیں۔" وہ تڑپ کر بولی تھی۔ زمر نے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا' انگلی سے برابر کنپٹی مسلتی رہی۔

"حنہ بچے! میں تمہیں کٹہرے میں نہیں کھڑا کرنا چاہتی۔"

"مگر آپ ایک دفعہ مجھ سے تو پوچھیں کہ کیا ہوا تھا؟"

"او کے' حنین یوسف!" اس نے سر اثبات میں ہلایا' پیچھے ہو کر بیٹھی' ٹانگ پہ ٹانگ جمائی۔ "شروع کرتے ہیں پھر۔"

حنین نے کمر سیدھی کرلی۔ بڑے ابا خاموشی سے بے بسی سے ان دونوں کو دیکھنے لگے جو آمنے سامنے بیٹھی تھیں۔ اور دونوں کے درمیان بہت سا فاصلہ تھا۔

"اس روز' جب مجھ پہ فائرنگ کی گئی' تم ہوٹل کے کمرے میں تھیں۔ ایک سے ساڑھے تین بجے تک تقریباً؟"

"جی!" اس نے گردن اکڑائی۔

"اور اس دوران فارس کہیں نہیں گیا؟" زمر سنجیدگی سے سوال کررہی تھی۔

"نہیں' وہ ہمارے ساتھ تھے۔"

"اور اس دوران تم بھی کہیں اٹھ کر نہیں گئیں؟"

"جی نہیں۔"

"تم سارا وقت اسی کمرے میں تھیں؟"

"جی۔"

"اور اس دوران تم نے فارس سے نظر نہیں ہٹائی؟ فارس اور علیشا کے سوا کسی سے کوئی بات بھی نہیں کی؟"

"نہیں۔"

"پولیس کو بھی تم نے بالکل یہی کہا تھا۔ کیا میں اسے تمہارا حتمی بیان تصور کرلوں؟"

"جی' میم پراسیکیوٹر!" کافی اعتماد سے گردن اکڑائے وہ بولی۔ زمر نے آنکھیں میچیں' گہری سانس لی اور اٹھ کر باہر نکل گئی۔ چند لمحے بعد وہ دوبارہ کمرے میں آئی تو اس کے ہاتھ میں وہی باکس تھا جو وہ الماری میں جوتوں کے خانے میں رکھتی تھی۔

"یہ تمہاری امی کے موبائل کا بل ہے۔ وہ موبائل جو اس روز تمہارے پاس تھا۔"

حنین نے قدرے حیرت سے وہ کاغذ تھاما' اور جب اس پہ نگاہیں دوڑائیں تو اس کا چہرہ سفید پڑنے لگا۔

"تم نے پولیس کو بھی کہا کہ تم نے اس دوران کسی سے کوئی بات نہیں کی' یعنی ایک لمحے کو بھی تم فارس سے غافل نہیں تھیں۔ جب کہ اس بل کے مطابق تم نے ڈیڑھ بجے اپنے گھر چار منٹ' اور پونے تین بجے اپنی ایک دوست کو دس منٹ کے لیے کال کی۔"

پھر ایک دوسرا کاغذ اس کے سامنے کیا۔ "یہ اس ہوٹل کی لابی کے سی سی ٹی وی کیمرے کا ایک اسٹل امیج ہے۔ اس میں تم نیچے ایک شاپ میں کھڑی دکھائی دے رہی ہو اور وقت ہوا ہے دو بج کر سترہ منٹ۔ مگر تم نے کہا تھا کہ تم اس دوران کمرے سے کہیں نہیں گئیں۔"

"میں بتانا بھول گئی' اور' اور یہ فائرنگ سے بہت پہلے کا وقت تھا۔" اس نے بجھے چہرے کے ساتھ وضاحت دینے کی کوشش کی۔

"حنہ بچے! میں نے تم سے اس بارے میں کوئی بات اس لیے نہیں کی کیونکہ میں جانتی تھی' تم ڈھائی گھنٹے ایک کمرے میں ٹک کر نہیں بیٹھ سکتیں۔ میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم نے یہ باتیں کیوں نہیں بتائیں' تم فارس کو پروٹیکٹ کرنا چاہتی تھیں' مگر حنہ' یہ گواہی کا معاملہ ہے' اور گواہی کے معاملے میں ہمیں اگر کسی کی

ایک بات جھوٹ معلوم ہو تو اس کی باقی ساری باتیں بھی سچی نہیں رہتیں۔ میں تھک گئی ہوں' آرام کرنے جا رہی ہوں۔ آپ لوگ باتیں کریں۔"

وہ نرمی سے کہتی کاغذات واپس ڈبے میں ڈالتی اٹھ گئی۔ حنین چہرہ جھکائے کتنی ہی دیر اسی طرح بیٹھی رہی' اور ابا' وہ بس افسوس سے اسے دیکھتے رہے۔ اگر ان کے خاندان کے سارے لوگ ایک دن کے لیے اپنی ذہانت پہ بھروسا کرنا چھوڑ دیں تو کتنا اچھا ہو۔

☆ ☆ ☆

میں چاہتی ہوں مرا عکس مجھ کو لوٹا دے
وہ آئینہ جسے اک بار میں نے دیکھا تھا

اس روز چھوٹے باغیچے والے گھر میں حنین کی چیخ پکار لگی تھی۔ اپنے کمرے کی ساری الماریاں الٹ پلٹ کیے' وہ کاغذات ڈھونڈ رہی تھی۔ میٹرک کی سند' ب فارم' شناختی کارڈ۔ ہمیشہ داخلے کی آخری تاریخ سر پہ آئی کھڑی ہوتی اور اس کے کاغذات نہیں مل رہے ہوتے تھے۔ اس تلاش میں کتنے عرصے کی کھوئی ہوئی درجنوں چیزیں مل جاتیں' مگر اصل شے ندارد رہتی۔

"کتنی دفعہ کہا ہے اپنی چیزیں ترتیب سے جوڑ کر رکھا کرو۔ لوگوں کی بیٹیوں کو دیکھا ہے' کبھی' کیسے ہر چیز۔" امی کی ڈانٹ پھٹکار (جسے سعدی "بیک گراؤنڈ میوزک" کہا کرتا تھا) کچن سے سنائی دے رہی تھی۔

تب ہی سیم کمرے میں داخل ہوا۔

"حنہ! یہ تمہارے لیے کوریئر آیا ہے۔ امریکہ سے۔"

وہ جو الماری میں سر دیے بیٹھی تھی' چونکی' پھر سب چھوڑ چھاڑ اس کی طرف آگئی۔ سیم اتنا اچھا تو تھا نہیں کہ ڈبہ رکھ جاتا۔ اطلاع دینے کے ساتھ ساتھ کھول بھی رہا تھا۔ اس نے درشتی سے وہ جھپٹا' اسے کمرے سے بھگایا' اور پھر خود کھولنے لگی۔

اندر ایک چھوٹی ڈبی تھی۔ اس میں ایک کی چین تھی۔ علیشا کی چین۔ ساتھ میں تہہ شدہ خط۔ دھڑکتے دل سے حنین نے کاغذ کی تہیں کھولیں۔

"ڈیئر حنین!

ممی سے معلوم ہوا کہ ڈھائی سال بعد تمہارا فون آیا تھا۔ سن کر خوشی ہوئی۔ میں اس دور سے نکل چکی ہوں جب ای میل اور ٹیکسٹ کیا کرتی تھی۔ یہاں اس جیل میں مجھے خط لکھنا زیادہ پر سکون لگا' اس لیے لکھ رہی ہوں۔ کم از کم اسے تم پڑھے بغیر مٹا تو نہیں سکو گی۔"

حنین وہیں زمین پہ پھیلی چیزوں کے درمیان بیٹھ گئی' اور گویا سانس روکے پڑھتی گئی۔

"میں اپنی کی چین تمہیں بھیج رہی ہوں۔ یہ میرے انتقام کے عزم کی نشانی ہے۔ جب ہاشم نے تمہارے سامنے مجھے بے عزت کر کے نکالا تو میں نے سوچا تھا' کہ تم بھی اپنی پھپھو جیسی ہو۔ جیسے اس نے فارس کی بات نہیں سنی' ویسے ہی تم نے بھی میری نہیں سنی۔ مگر تم دونوں اپنی جگہ ٹھیک ہو۔ کافی عرصہ میں نے سوچا کہ ہاشم سے اس بات کا بدلہ لوں' مگر پھر میں نے جان لیا کہ میں اتنی کمزور اور خوف زدہ سی لڑکی ہوں کہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ سو میں نے بدلے کی تمنا کو ترک کر دیا۔ یہ کی چین بھی تمہیں دے رہی ہوں۔ سب لوگوں میں سے صرف تمہیں۔ لاکٹ بھی اسی لیے تمہیں دیا تھا کہ ایک دن ہم محرم راز بن جائیں گے اور تم میرے ساتھ کھڑی ہو گی۔ پھر مجھے میرا حق مل جائے گا۔ مگر وہ دن اب کبھی نہیں آئے گا حنین!

مایوسی انسان کو تباہ کر دیتی ہے' مجھے بھی کر دیا۔ میں نے ڈرگز میں فرار چاہی۔ جرائم میں چاہی۔ اب لگتا ہے کہ زندگی ضائع کر دی۔ تمہیں یہی بتانے کو خط لکھ رہی ہوں کیونکہ مجھ میں اور تم میں ذہانت کے علاوہ اور بھی کچھ مشترک ہے۔ ہماری برائی کی طرف مائل ہونے والی طبیعت۔

کہتے ہیں' ہر انسان کے اندر دو بھیڑیے ہوتے ہیں۔ ایک اچھائی کا' دوسرا برائی کا۔ غالب وہی رہتا ہے جس کو ہم کھلاتے پلاتے ہیں۔

میں تمہیں بتاؤں حنین! میرے اندر کا منفی بھیڑیا

غالب آگیا' اور میں نے وہ کردیا جسے دنیا جرم کہے' دھوکا کہے' یا ڈرگز کہے' مگر خدا اسے ایک ہی لفظ سے پکارتا ہے "گناہ۔" اور میں تمہیں بتاؤں' تمہارا بھی بدی کا بھیڑیا جلد یا بدیر تم پر غالب آئے گا' اس لیے متنبہ کررہی ہوں۔ گناہ مت کرنا۔ کسی کی کمزوری کو شکار مت کرنا۔ کسی کی اچھی نیچر سے فائدہ مت اٹھانا۔ اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم ایسا ضرور کروگی۔ کیونکہ تم بھی evil جینیس ہو' شاید مجھ سے بھی زیادہ۔

تو بس اتنا جان لو حنین کہ ہر گناہ صرف توبہ کرلینے سے معاف نہیں ہوجاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ سو کچھ بھی غلط مت کرنا۔ کیونکہ کفارے دیتے تمہاری زندگی بیت جائے گی اور غم کم نہیں ہوگا۔ مجھے اس خط کا جواب مت دینا۔ میں اس قید میں کچھ عرصہ مزید رہنا چاہتی ہوں کسی بھی تعلق کی امید کے بغیر۔ مجھے میری غلطیوں کے لیے معاف کردینا۔ میں بھی تمہیں تمہاری اچھائیوں کے لیے معاف کرتی ہوں۔

دن کے آخر میں ہم تینوں ایک سے ہیں۔ میں "تم" زمر...

کمزور چیونٹیاں جو ہمیشہ اپنے سے کئی گنا بڑے دشمن بناتی ہیں۔

فقط

علیشا کاردار۔

حنین کا چہرہ سفید تھا اور لب جامنی۔ آنکھوں کی پتلیاں ساکت تھیں۔ کپکپاتے ہاتھ کاغذ پر جمے تھے۔ وہ بس شل بیٹھی بار بار ان الفاظ کو پڑھ رہی تھی۔ کسی نے گردن دبوچ کر اسے اپنی ہی ذہانت اور قابلیت کی تاریک سرنگ سے نکال کر حقیقت کے روشن کمرے میں لاکھڑا کیا تھا اور اس ۔ کمرے میں ہر طرف آئینے تھے اور ان میں نظر آتے سیاہ سفید عکس اس کے وجود کو کرچی کرچی کررہے تھے۔

باہر سے آتی ندرت' اسامہ' ٹی وی' سب کی آوازیں اس کے لیے لایعنی ہوچکی تھیں۔ وہ نمک کا مجسمہ بنی' اس کاغذ کو ہاتھ میں لیے فرش پہ بیٹھی تھی۔

میٹرک' ایف ایس سی کے رزلٹ کارڈ' بہترین طالبہ کے سرٹیفکیٹ' فلاں اور فلاں ایوارڈ' سب اس کے آس پاس ہی بکھرا تھا اور وہ ان سب جھوٹے کاغذوں کے ڈھیر میں ایک سچے پرچے کو پکڑے بیٹھی تھی۔

زندگی میں پہلی دفعہ حنین ذوالفقار یوسف خان نے خود سے سوال کیا' وہی جو وارث ماموں کے قتل کی رات فارس نے ہوٹل میں تب پوچھا تھا جب اس نے اس لونگ کا ذکر کیا تھا۔

"تم کون ہو حنین؟"

اور اردگرد لگے آئینوں کی دیواریں کہہ رہی تھیں۔

ایک کمزور کا شکار کرنے والی غارت گر... ایک بے بس انسان کی جان لینے والی حنین!

☼ ☼ ☼

خود سے بھی کوئی ربط نہیں مرا ان دنوں
تجھ سے تعلقات کی تجدید کیا کروں

پبلک پراسیکیوشن آفس کی کھڑکی سے سرما کی دھوپ چھن کر آتی' میزوں پہ رکھی فائلوں کو چمکا رہی تھی مگر موسم سے بے نیاز زمر سنجیدگی سے بصیرت صاحب سے وہ پوچھ رہی تھی جو ان کو الجھا رہا تھا۔

"کیا آپ نے اس کیس میں کسی دوسرے مشتبہ شخص کو چیک کیا تھا؟"

"زمر! یہ رکھی ہیں ساری فائلز۔" انہوں نے جیسے ہاتھ اٹھادیے۔ "اور آپ جس دن کہیں' میں یہ کیس آپ کو دینے کو تیار ہوں' اوپر بات کرلوں گا میں۔"

"مجھے یہ کیس فائلز نہیں دیکھنی' نہ یہ کیس چاہیے۔" وہ گویا کسی ناپسندیدہ شے سے دور ہٹی۔ "میں صرف اتنا جاننا چاہتی ہوں کہ کیا آپ نے اس کیس کی ویسے تفتیش کی تھی جیسے آپ کو کرنا چاہیے؟"

"کیا آپ کو فارس کے قاتل ہونے پہ شبہ ہے؟" وہ حیران تھے۔

"نہیں' مگر میرے خیالات سے فرق نہیں پڑتا۔ میں اس کیس کی پراسیکیوٹر نہیں ہوں' آپ ہیں۔ میں

وکٹم ہوں' دوسرا رخ نہیں دیکھنا چاہتی' مگر آپ کو ہر رخ دیکھنا چاہیے۔ میں یہ پوچھ رہی ہوں کیا آپ نے کسی دوسرے suspect (مشتبہ شخص) کو چیک کیا تھا؟"

"ظاہر ہے' میں نے کیا تھا۔ ہر اس شخص کو جس کا کیس سے ذرا سا بھی تعلق بنتا تھا۔" وہ پھر کوئی فائل اٹھانے لگے مگر زمر نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

"مجھے کوئی فائل نہیں دیکھنی' میں نے خود کو اس کیس سے لاتعلق کر لیا ہے۔ مجھے بس زبانی بتادیں کیا آپ کو کوئی ایسی چیز ملی جو فارس کو بے گناہ ثابت کرتی ہو؟" یہ کتنا تکلیف دہ تھا' مگر اسے کہنا تھا۔

"نہیں۔ کوئی بھی چیز کسی بھی دوسرے شخص کی طرف اشارہ نہیں کرتی تھی۔"

وہ چند لمحے' لب بھینچے ان کی آنکھوں میں دیکھتی رہی۔

"کیا آپ نے ہاشم کاردار کو چیک کیا تھا؟" چند لمحے سناٹا چھا گیا۔ اسی وقت زمر کا فون بجا۔ حنین کی امی کا نمبر تھا۔ اس نے عجلت میں کال لی۔

"پھپھو؟" وہ حنین تھی۔

"حنین! میں ذرا بزی ہوں' تھوڑا ٹھہر کر کال کرتی ہوں۔" اور بصیرت صاحب کو دیکھا۔ اس کی توقع کے برعکس وہ بولے۔

"وہ ان پہلے لوگوں میں سے تھا جن کو میں نے چیک کیا تھا کیوں کہ فارس کا اصرار تھا' یہ وارث کے قتل کو کور کرنے کی سازش ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ وارث غازی کے پاس ہاشم کا کوئی کیس ہو' جس کو چھپانے کے لیے ہاشم نے اسے قتل کروایا ہو۔ مگر....." انہوں نے فائل کھولی اور اس میں رکھے فوٹو اسٹیٹ صفحے کی طرف اشارہ کیا۔ زمر کی نگاہیں اس پہ جھکیں۔

"یہ ان تمام کیسز کی فہرست ہے جو وارث غازی کے پاس تھے۔ ان میں ہاشم یا اس کے باپ کا کوئی کیس شامل نہیں ہے۔" زمر چند لمحے کے لیے چپ سی ہو گئی۔ وہ مسلسل کچھ سوچ رہی تھی۔

"ہم سب جانتے ہیں بصیرت صاحب! کہ ہاشم کتنا کرپٹ ہے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ اس کے خلاف نیب میں ایک کیس بھی نہ ہو؟"

"آپ غلط سمجھتی ہیں۔ غازی کے پاس اس کا کیس نہیں تھا۔ دوسرے اٹھارہ آفیسرز کے پاس اس کے بیسیوں کیسز زیر تفتیش ہیں۔"

"اوہ....." اس کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔

"تو میں نے وارث کے موجودہ کیسز سے متعلقہ افراد کو چیک کیا۔ کسی کے خلاف کچھ نہیں ملا۔ میں نے ان تمام آفیسرز سے بھی فرداً "فرداً" بات کی جو ہاشم کے کیسز دیکھ رہے تھے اور مجھے یہ معلوم ہوا کہ ہاشم یا اس کے خاندان نے کبھی بالواسطہ ان لوگوں کو کوئی دھمکی نہیں دی۔ سب جانتے ہیں' نیب کیسز کا کچھ نہیں بنتا اور وہ ان کو ڈرا دھمکا کر یا رشوت دے کر ان کا منہ بند نہیں کرتا۔ بلکہ ان کو کورٹ میں لا کر بہت فخر سے اپنا دفاع کر کے ان کو خوار کیے رکھتا ہے۔ اگر تو ہاشم کا کوئی کیس وارث کے پاس ہوتا تو میں تب بھی فرض کر لیتا کہ ہو سکتا ہے۔ وارث کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی ہو جو ہاشم کے لیے نقصان دہ ہو' مگر اس کا تو سرے سے کوئی کھاتہ ہی وارث کی طرف نہیں کھلتا۔"

زمر... نے فائل بند کر کے پرے کر دی۔ اس کا دل اچاٹ ہو گیا تھا۔

"زمر... فارس غازی نے دو قتل کیے ہیں۔ اس نے یہ بات خود آپ سے کہی تھی' اس کو نہیں معلوم تھا کہ آپ بچ جائیں گی اور سب کو بتادیں گی' اس لیے....."

"مگر وہ مجھے ہسپتال دیکھنے آتا رہا تھا۔ میرے بیان سے پہلے۔ اس نے دوبارہ مجھے مارنے کی کوشش کیوں نہیں کی؟" پتا نہیں کیوں وہ اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کر رہی تھی۔

"اتنی سیکورٹی اور پولیس کی تعیناتی کے باعث وہ ایسی کوشش کرنے کی بے وقوفی کیسے کر سکتا تھا؟" وہ الٹا حیران ہوئے۔ "کیا آپ کو وہ بے گناہ لگنے لگا ہے؟"

"یہ ہی تو سارا مسئلہ ہے۔ میرے نزدیک وہ گناہ گار ہے اور میں چاہ کر بھی کوئی ایسی وجہ نہیں ڈھونڈ پا رہی جو

اس کو ان جرائم سے بری کردے۔" وہ گہری سانس لے کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

حنین ان کاغذوں کے ڈھیر کے بیچ ہنوز بیٹھی، موبائل پہ نمبر ملا رہی تھی۔ پہلی دفعہ ہچکچاہٹ سے، پھر بے چینی سے پھر بے قراری سے اور اب دیوانگی سے بار بار زمر کا نمبر ملا رہی تھی۔ آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ رہے تھے۔ اسے لگا وہ چند سال پیچھے چلی گئی ہے، جب چھت پہ اندھیرے میں بیٹھے، زمر نے نرم لہجے میں سیم اور اسے جنات کا قصہ سنایا تھا۔ تب اسے لگا تھا۔ جنات سے زیادہ طاقت ور انسان ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ انسان زمر تھی، جو اس کا ہر مسئلہ حل کر سکتی تھی۔ اب بھی اسے یہ ہی لگ رہا تھا۔ درمیان کے ماہ و سال اور ان کی تلخی کہیں کھو سی گئی تھی۔ صرف زمر تھی جس کو وہ اپنا مسئلہ بتا سکتی تھی اور زمر نے ساتویں کال اٹھا کر بس اتنا کہا۔

"حنین! میں بزی ہوں، تمہیں ذرا دیر تک کال کرتی ہوں۔" اور وہ خاموش آنسوؤں کے ساتھ فون ہاتھ میں لیے بیٹھی رہ گئی۔ کافی دیر بعد وہ بجا۔ اس نے دیکھا، زمر کا نمبر آرہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اترا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنکھیں رگڑیں اور کال اٹھائی۔

"ہاں حنین۔ سوری میں اس وقت۔۔۔" وہ نرمی سے کہنے لگی تھی، مگر اس نے درشتی سے بات کاٹی۔

"سوری مجھے کہنا چاہیے، غلطی سے کال کرلی تھی۔ کسی اور کو ملا رہی تھی، بائے۔" اور فون رکھ دیا۔ آنسو پھر سے بہنے لگے۔ اتنے سال بعد اس نے پہلی دفعہ زمر کو پکارا تھا، مگر وہ مصروف تھی۔ کیا اس کی مصروفیت حنین کی بھیگی رندھی آواز سے زیادہ اہم تھی؟ اس کا دل ٹوٹ سا گیا۔

زمر کی پھر سے کال آنے لگی، مگر حنین نے موبائل آف کر دیا۔

علیشا ٹھیک کہتی تھی۔ وہ جلد یا بدیر کوئی ایسا گناہ ضرور کرے گی، جس کا کفارہ اسے پوری زندگی دینا پڑے گا۔ بس علیشا کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حنین وہ چند ماہ پہلے ہی کر چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

ہجر کی رات کاٹنے والے
کیا کرے گا اگر سحر نہ ہوئی

حنین کی ادھوری، ان کہی کال اس کے ذہن میں اٹک سی گئی تھی۔ اس صبح بھی وہ سماعت ختم ہوتے ہی کورٹ روم سے نکلنے کے بجائے کرسی پہ بیٹھ گئی اور ابا کو کال ملانے لگی۔ آج دھوپ نہیں نکلی تھی اور سرد کمرہ عدالت میں صبح بھی بتیاں جلی تھیں۔ جسٹس صاحب اپنے چیمبرز میں واپس جا رہے تھے، اہلکار احمر شفیع نامی لڑکے کو واپس لے جانے کی تیاری کر رہے تھے۔ ہاشم پھر نہیں آیا تھا اور سب کا وقت ہی ضائع ہوا تھا۔ وہ اطراف میں نظریں دوڑاتی، ابا کو جاتی فون کی گھنٹی سن رہی تھی۔

"آپ نے پوچھا حنہ سے؟" ان کا سلام سنتے ہی وہ سر جھکائے مدھم سا پوچھنے لگی۔

"میں نے کال کی تھی، وہ جلدی میں تھی، کہہ رہی تھی غلطی سے تمہیں کر دی تھی کال۔ تم پریشان مت ہو کوئی بات نہیں ہے۔"

"اونہوں۔ کوئی بات تھی۔ وہ ٹھیک نہیں تھی۔ آپ دوبارہ پوچھنے کی کوشش کریں۔"

"تم خود اس کے گھر چلی جاؤ۔" اور ابا کی تان یہیں آکر ٹوٹا کرتی تھی۔ زمر نے "رہنے دیں ابا" کہہ کر کال کاٹی تو احساس ہوا، سفید شلوار قمیص میں کوئی اس کے سامنے آکھڑا ہوا ہے، چونک کر سر اٹھایا تو وہ احمر تھا۔ اہلکار بھی ساتھ تھے۔ زمر نے ادھر ادھر دیکھا، کمرہ خالی ہو رہا تھا۔

"میم!" وہ ملتجی، بے چین سا انگریزی میں کہنے لگا۔

"مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔"

"اپنے وکیل کے بغیر آپ کو مجھ سے بات نہیں کرنی چاہیے۔" نرمی سے کہتی وہ اٹھی۔ پرس کندھے پہ لٹکایا۔

"پراسیکوٹر بصیرت کہاں ہیں؟ مجھے ان کا پوچھنا

ہے۔" کہہ کر اس نے پھر اہلکاروں سے درخواست کی کہ چند لمحے مزید اس کو بات کرنے دیں۔

"وہ ایک ہفتے کی چھٹی پہ گئے ہیں۔" وہ موبائل پرس میں ڈالتی جانے کو مڑی۔

"مجھے غازی کے بارے میں بتانا ہے۔ فارس غازی' وہ کچھ غلط کرنے جارہا ہے۔"

زمر کے قدم منجمد ہوئے۔ آہستہ سے اس نے گردن موڑی۔ آنکھیں سکیڑ کر اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کیا؟"

"پہلے آپ وعدہ کریں کہ کبھی ظاہر نہیں کریں گی کہ یہ آپ کو مجھ سے معلوم ہوا ہے ورنہ فارس مجھے جان سے ماردے گا۔" پریشانی سے کہتا' وہ آگے کو ہوا۔

"میں سن رہی ہوں۔" وہ غور سے اسے دیکھنے لگی۔

"اس نے کچھ پلان کیا ہے۔ اسے عدالت سے امید نہیں رہی تو وہ... جیل میں کچھ لوگوں سے انتقام لینے جارہا ہے۔ وہ کچھ ساتھیوں کے ساتھ جیل میں Riots (گڑبڑ) کرنے جارہا ہے اور اس فساد میں کچھ لوگ جان سے بھی جائیں گے۔"

"کیا فارس نے خود کہا یہ؟"

"جی... یہ وہ تمام تفصیل ہے جو مجھے معلوم ہوسکی ہے۔ وہ مجھے بھی اس میں شامل کرنا چاہتا ہے' مگر میں نے ابھی اسے حتمی جواب نہیں دیا۔" ساتھ ہی ایک مڑا تڑا کاغذ اس کی جانب بڑھایا۔ زمر نے کاغذ پکڑ کر کھوجتی نظروں سے اسے دیکھا۔

"مجھے پولیس پہ اعتبار نہیں ہے' کسی وکیل کو بتانا زیادہ بہتر لگا مجھے۔ آپ اس کو رنگے ہاتھوں پکڑوا سکتی ہیں۔ اب مجھے جانا چاہیے۔" جیسے کوئی اضطراب ختم ہوا۔ وہ پرسکون سا سانس لیتا اہلکاروں کے ہمراہ مڑ گیا۔

زمر کاغذ ہاتھ میں لیے کھڑی' سوچتی نظروں سے اس طرف دیکھتی رہی جہاں سے وہ گیا تھا۔

جب وہ اپنی حوالاتی کوٹھڑی تک واپس لایا گیا تو سہ پہر اتر چکی تھی۔ سپاہی نے سلاخوں کا دروازہ کھولا۔ وہ اندر آیا' تو دروازہ مقفل کردیا گیا۔ احمر قدم قدم چلتا دیوار تک آیا اور پھر فرش پہ اکڑوں بیٹھ گیا۔ فارس چند قدم دور اسی طرح بیٹھا تھا۔ احمر قریب آیا تو اس نے غور سے اس کے چہرے کا جائزہ لیا۔

"کہاں تھے؟" گردن موڑ کر اسے دیکھا جو قریب بیٹھا' اپنے گھٹنوں کو دیکھ رہا تھا۔

"کچہری...."

"معلوم ہے... مگر... کچھ اور بھی ہوا ہے کیا؟" وہ غور سے احمر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

"وہی جو ہونا چاہیے تھا۔"

"بک بھی چکو۔" وہ اکتا گیا۔

احمر نے ہولے سے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔

"میں نے انہیں بتادیا کہ آپ جیل میں riots شروع کرنے لگے ہیں۔"

چند لمحے کوٹھڑی میں سناٹا چھا گیا۔ فضا بوجھل ہوگئی۔

"اور؟ اس نے یقین کرلیا؟" فارس کے پوچھنے پہ احمر مسکرایا۔

"ایک ایک حرف پہ!" اور اس کے ہاتھ پہ ہاتھ مارا۔ دونوں ہلکے سے ہنس دیے۔ یہ وہ ان چند دفعہ میں سے تھا جب احمر نے اسے ہنستے دیکھا تھا۔

"گڈ!" پھر سے سنجیدہ ہوتے ہوئے فارس نے جیب سے مڑا تڑا کاغذ نکالا اور سامنے پھیلایا۔ پھر باہر دیکھا۔ اہلکار دور تھے۔ وہ مدھم آواز میں کہنے لگا۔

"جمعرات کی رات فیصلے کی رات ہوگی۔ اگر اس نے یقین کرلیا کہ ہم riots شروع کرنے لگے ہیں تو وہ لوگ جیل کے شمالی حصے پہ ادھر...." نقشے پہ ایک جگہ انگلی رکھی۔ "اپنی نفری تین گنا بڑھا دیں گے۔ ایسے میں جنوب مشرقی دیوار پہ نفری کم ہوجائے گی۔ ہم فساد نہیں کریں گے۔ ہم اس طرف صرف آگ لگائیں گے۔ یہ ہمارا diversion ہوگا اور یوں ہم جنوب مشرقی حصے سے نکل جائیں گے۔"

"جانتا ہوں۔ ہم کوئی تین سو دفعہ اپنا منصوبہ دہرا چکے ہیں۔ اب تو میں خود کو آدھا جیل سے باہر تصور

کرنے لگا ہوں۔" وہ رکا۔ فارس جو کاغذ لپیٹ رہا تھا' قدرے چونکا۔

"ایک منٹ۔ تمہارے چہرے پہ کچھ اور بھی لکھا ہے۔" اس نے غور سے احمر کو دیکھا۔ "کوئی مسئلہ ہے کیا؟"

"وہ... دراصل..." وہ اٹکا۔ پھر اٹھ کر چند قدم مزید دور جا بیٹھا۔ (کہ اگلی بات سن کر فارس غازی اس کا گریبان نہ پکڑ لے۔) اور کان کھجاتے ہوئے سادگی سے بولا۔ "پراسیکیوٹر بصیرت چھٹی پہ ہیں۔" فارس کو شاک لگا۔

"تو تم یہ ساری بکواس کس سے کر کے آئے ہو؟ میں نے کہا تھا' پولیس کو نہیں انوالو کرنا۔"

"وہ... چڑیل کو بتایا ہے۔"

اور اس کے گویا چودہ طبق روشن ہو گئے۔ "کیا بک رہے ہو؟ میں نے منع کیا تھا کہ..." وہ غصے سے چلانا چاہتا تھا' مگر پہرے دار قریب آ رہے تھے۔ سو طیش بھری آواز ذرا دبائی۔ "اس سے کیوں کہا؟"

"اگر آپ اپنا غصہ ایک طرف رکھ کر میری بات سنیں تو زیادہ اچھا ہو گا۔ پوری کچہری میں سب سے زیادہ آپ کو سزا کون دلوانا چاہتا ہے؟ ظاہر ہے چڑیل۔ بصیرت صاحب شاید میری بات پہ کان ہی نہ دھرتے' مگر وہ دھرے گی' اسے اس سے بہتر موقع نہیں ملے گا' آپ کو سزا دلوانے کا اور پھر بصیرت صاحب تھے ہی نہیں' ہفتے بعد آئیں گے اور ہفتے بعد ان سے کیسے ملوں گا؟ اگر درخواست کروں ملنے کی تو ان کو شک نہیں ہو گا کیا کہ اتنے علی الاعلان کیوں کر رہا ہوں؟ میرے پاس صرف آج کا دن تھا' اور میں نے وہی کیا جو بہتر لگا۔"

"اس کو استعمال کر کے جیل نہیں توڑنا مجھے۔" وہ ناگواری سے غرایا۔ "اس طرح تو وہ ساری عمر یہی سمجھے گی کہ میں مجرم تھا۔"

"جب آپ جیل توڑیں گے تو سب یہ ہی سمجھیں گے پھر مسئلہ کیا ہے؟"

اور فارس چپ ہو گیا۔ دونوں ہاتھوں میں سر تھاما۔ آنکھیں بند کر کے کنپٹی مسلی۔

"یہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں اس کو استعمال نہیں کرنا چاہتا۔"

"کیوں؟" دور بیٹھے احمر نے پتلیاں سکیڑ کر اس کا چہرہ تکا۔ "آپ دونوں کے درمیان کچھ رہا ہے کیا؟"

اس نے چونک کر سر اٹھایا۔ آنکھوں میں ناگواری آئی۔ "بالکل بھی نہیں۔"

"اچھا سوری' مجھے یوں ہی لگا۔"

"کیا لگا؟" اس کا سانس رک گیا تھا۔

"نہیں دراصل... اتنا کچھ ہو جانے' اتنے سال گزر جانے' آپ سے اتنی نفرت ہونے اور آپ کے خلاف ہر جگہ بیان دینے کے باوجود بھی جب آپ اس کا ذکر سنتے ہیں تو کچھ آتا ہے آپ کے چہرے پہ۔ اور پھر چڑیل بھی... سوری... وہ بھی ابھی تک آپ کو فارس کہہ کر بلاتی ہے۔ اس نے ہر چیز کے بعد بھی First Name Terms ختم نہیں کیں۔"

"ایسے کسی عورت کا نام نہیں لیتے' ہر وقت بک بک نہ کیا کرو' دماغ گھوما ہوا ہے میرا اس وقت۔"

اس نے درشتی سے ڈپٹ کر رخ پھیر لیا۔ احمر کو اب اس کا چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا' سو شانے اچکا کر رہ گیا۔

"اچھا سوری... غلطی سے کہہ دیا خیر..." پھر آرام سے لیٹ گیا' بازوؤں کا تکیہ سر تلے رکھا۔ "آپ باہر جا کر کیا کریں گے؟ میں تو امریکہ بھاگ جاؤں گا۔ یہاں تو نوکری کر نہیں سکتا اور..." وہ بولے جا رہا تھا اور فارس چہرہ موڑے دیوار کو دیکھ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

آپ لوگوں کے کہے پر اکھڑ جاتے ہیں۔
لوگ تو جھوٹ بھی سو طرح کے گھڑ جاتے ہیں۔

عین اس وقت جب وہ دونوں اس کوٹھڑی میں یوں بیٹھے تھے' چند میل دور کاردارز کی کمپنی کے ٹاپ فلور کی راہ داری میں زمر ایک بینچ پہ بیٹھی تھی۔ دونوں ہاتھوں میں کافی کے دو ڈسپوزیبل گلاس تھے۔ ایک

سے وہ کچھ سوچتے ہوئے وقفے وقفے سے گھونٹ بھر رہی تھی۔ دوسرے کا ڈھکن بند تھا۔ نگاہیں راہ داری میں گزرتے لوگوں پہ جمی تھیں۔ دفعتاً" وہ کھڑی ہوئی' کیونکہ دوسری جانب سے ہاشم چلتا آرہا تھا۔ ایک ہاتھ میں بریف کیس' دوسرے میں پکڑے موبائل پہ بٹن دباتا۔ زمر کے قریب وہ رکا' پہلے اس کے پیر دیکھے' پھر نظریں اٹھائیں۔ وہ بند ڈھکن کا گلاس اس کی طرف بڑھائے ہوئے کھڑی تھی۔ ہاشم کھل کر مسکرایا۔

"بغیر چینی کے؟" گلاس پکڑتے ابرو اٹھائی' زمر نے سر کو خم دیا۔

"بغیر چینی کے!" اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔

"ویسے آپ تو شہر سے باہر گئے ہوئے تھے؟"

"آپ مجھ سے ساعت پہ غیر حاضری کی بازپرس کرنے نہیں آئیں' جانتا ہوں' وہ کام بتایئے جو آپ کو ادھر کھینچ لایا؟" وہ گھونٹ بھرتے ہوئے مسکرا کر پوچھ رہا تھا۔ دونوں ہاشم کے آفس کی سمت جا رہے تھے۔

"کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ احمر شفیع کا وکیل بنے بغیر بات کرسکتے ہیں؟

"میں سن رہا ہوں۔"

"احمر کتنا قابل بھروسا انسان ہے؟"

"کافی حد تک....." ہاشم نے شانے اچکائے۔

"میرے والد کے ساتھ اس نے کافی عرصہ کام کیا۔ گو کہ میں اسے پسند نہیں کرتا' مگر وہ ایک قابل اعتبار انسان ہے' کیوں؟" اب غور سے ساتھ چلتی زمر کو دیکھا۔ "کیا اس کی کسی بات پہ بھروسا کرنے میں آپ کو دقت پیش آرہی ہے؟

ہاں..... وہ اچھا لڑکا ہے' مگر ہوا کیا ہے؟" دونوں اب آفس کے دروازے کے سامنے کھڑے تھے۔

"آپ کافی ختم کیجیے۔" وہ مسکرا کر مڑ گئی تو ہاشم نے پیچھے سے پکارا۔

"میں اس مشورے کے بدلے میں ضرور کوئی فیور مانگوں گا۔"

"آپ کب بدلہ نہیں مانگتے؟" وہ رکے بنا آگے چلتی گئی۔

"وہ ٹیپ آپ کو کہاں سے ملی؟" ہاشم نے عقب سے پکارا۔ زمر بیچ راہ داری میں رکی۔ ایڑیوں پہ گھومی۔ اچنبھے سے اسے دیکھا۔

"کون سی ٹیپ؟"

"آپ کی اور فارس کی کال' جو عدالت میں پیش کی گئی۔ سعدی نے بتایا کہ وہ آپ نے نکلوا کردی تھی۔" گھونٹ بھرتے ہوئے غور سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

"یہ سعدی نے کہا؟" وہ حیرت زدہ رہ گئی۔ ہاشم قدرے چونکا۔ ابرو سکیڑے۔

"کیا آپ نے نہیں نکلوا کردی؟ کیا اس نے جھوٹ بولا؟"

"وہ جھوٹ کیوں بولے گا؟ ظاہر ہے' میں نے ہی نکلوا کردی ہے اور کہاں سے نکلوائی ہے' یہ نہیں بتاؤں گی۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ اس نے آپ کو کیوں بتایا' میں نے منع کیا تھا۔" وہ زمر تھی' فوراً" سنبھل گئی اور ناپسندیدگی سے بات مکمل کرکے پلٹ بھی گئی۔ ہاشم کے تنے اعصاب ڈھیلے پڑے۔ اگر زمر کے ہاتھ آڈیو لگی ہے اور اس کے باوجود وہ فارس کو گناہ گار سمجھتی ہے تو پھر کوئی مسئلہ نہیں' وہ بھی خوامخواہ خاور کی بات پہ ابھی تک اٹکا تھا۔ اونہوں..... سر جھٹک کر' کافی کا گلاس پکڑے' وہ اندر کی جانب بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

فصیل جسم پہ تازہ لہو کے چھینٹے ہیں
حدود وقت سے آگے نکل گیا کوئی

وہ رات قصر کاردار پہ یوں اتری کہ اپنے اندر ڈھیروں خوف ناک بھید چھپائے ہوئے تھی۔ دور جنگل سے جانوروں کے بولنے کی آوازیں' پرندوں کی سہمی ہوئی چہکار اور پھر ہر سو طاری ہو جانے والا موت کا سناٹا۔ سب اس رات میں گم سا ہو گیا تھا۔

لونگ روم میں ٹی وی چل رہا تھا اور ہاشم صوفے پہ نیم دراز' پیر میز پہ رکھے' ٹی وی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔ سونیا اس کے کندھے پر سر رکھے ترچھی لیٹی' کسی

کتاب کے صفحے الٹ رہی تھی۔ شیرین جاچکی تھی اور چند دن تک سونی ادھر ہی تھی اور اب وہ دونوں باپ' بیٹی وہاں اکٹھے بیٹھے تھے۔ اس بات سے یکسر بے خبر کہ ان کے دائیں سمت' اورنگ زیب اور جواہرات کے کمرے کے بند دروازے کے پیچھے کیا ہو رہا تھا۔

کمرے کے اندر مدھم زرد بتیاں جلی تھیں۔

جواہرات نائٹ گاؤن میں ملبوس' بیڈ کے ساتھ کھڑی' حیران پریشان سی ایک فائل کے صفحے پلٹ رہی تھی۔ باتھ روم کا دروازہ کھلا تھا۔ اندر تیز سفید روشنی میں اورنگ زیب کھڑے شیو بنا رہے تھے۔ (ان کو رات کو شیو بنانے کی عادت تھی۔) بلیڈ گال پہ پھیرتے ذرا وقفہ دیا اور گردن موڑ کر جواہرات کو دیکھا جو ہنوز شاک کے عالم میں فائل دیکھ رہی تھی۔

"اب اپنا میلو ڈرامانہ شروع کر دینا۔ میں فیصلہ کر چکا ہوں اور اسے نہیں بدلوں گا۔"

"اورنگ زیب!" اس نے سفید پڑتا چہرہ اٹھایا اور بے یقینی سے باتھ روم میں کھڑے اپنے شوہر کو دیکھا۔ "تم ایسا کیسے کر سکتے ہو' وہ تمہارا بیٹا ہے۔"

"جس نے مجھے بے وقوف بنا کر پیسے ہتھیانے کی کوشش کی' کم از کم وہ میرا بیٹا کہلانے کے لائق نہیں۔" تنفر سے کہتے ریزر جھاگ لگے گال پہ پھیرا۔

"تم نے اس کے اکاؤنٹس فریز کر دیے' میں چپ رہی۔ اس سے بات نہیں کر رہے' میں چپ رہی۔ مگر تم اس کی کمپنی اس سے واپس لے رہے ہو' تم اس کو قلاش کر رہے ہو' میں اس پہ چپ نہیں رہوں گی۔" وہ غصے سے پھنکاری تھی۔

"اپنی معلومات میں مزید اضافہ کر لو۔" آئینے میں خود کو دیکھتے اورنگ زیب نے ٹھوڑی پہ ریزر پھیرا۔ "میں اس کو یہاں سے بھیج رہا ہوں۔ مجھے وہ اپنے اردگرد برداشت نہیں ہے۔"

"وہ تمہارا بیٹا ہے۔" وہ چلائی' ساؤنڈ پروف دیواروں نے تمام آوازیں دبالیں۔ باہر لاؤنج میں بیٹھے ہاشم اور سونیا بے خبری وی دیکھتے رہے۔ باتھ روم کے عین اوپر' ہاشم کی بالکونی میں کھڑی پودوں کو پانی دیتی میری انجو بھی بے خبر گنگناتی ہوئی پانی دیتی رہی۔

"اس لیے اسے اب عرصہ تک میرے بغیر رہنا ہو گا۔ خود کمائے گا' خود کھائے گا۔"

"یہ سزا ہے' یہ انتقام ہے۔"

"تم چاہو تو اپنے بیٹے کے ساتھ جا سکتی ہو۔" اس بات پہ جواہرات نے مٹھیاں بھینچ لیں۔

"تم ہوتے کون ہو مجھے یہاں سے نکالنے والے؟" وہ سرخ آنکھوں کے ساتھ غرائی تھی۔

"میں اس گھر کا مالک ہوں۔"

"تم ایک احسان فراموش' بے حس اور گھٹیا انسان ہو۔" وہ حلق کے بل چلائی تھی۔ سانس بے ترتیب ہو رہا تھا اور آنکھیں لال۔

اورنگ زیب کے کان سرخ ہوئے' غصے سے اسے دیکھا۔ وہی غصہ جو ورثے میں نوشیرواں اور فارس نے لیا تھا۔

"اپنے کام سے کام رکھو اور اپنے بیٹے سے کہو کہ کاغذات پہ دستخط کر دے' ورنہ مجھے دوسرے طریقے بھی آتے ہیں۔"

"تم ایسا نہیں کرو گے۔" وہ چوکھٹ پہ ہاتھ سختی سے جمائے' اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر غرائی۔ "ہاشم ایسا نہیں ہونے دے گا۔"

"میں مالک ہوں' ہاشم نہیں۔ تمہارے بیٹے کیا' میں تمہیں بھی ہر شے سے بے دخل کر سکتا ہوں۔"

"تمہاری سوچ ہے۔" اس نے نفرت سے انہیں دیکھا۔

"نوشیرواں اب ادھر نہیں رہے گا۔ میری طرف سے وہ آزاد ہے۔ جیسے میں نے محنت کر کے کمایا' وہ بھی کما لے۔"

"محنت؟ اونہہ..... میرے باپ کے ٹکڑوں پہ پلنے والے ہو تم! یہ سب میرے باپ کا تھا' تم اپنے ساتھ نہیں لائے تھے۔" وہ شدید حقارت سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اورنگ زیب غصہ ضبط کیے اسے دیکھتے رہے' پھر سر کو اثبات میں ہلایا۔

"میں مزید کیا کر سکتا ہوں' بتاؤں تمہیں؟ میں

علیشا کو اس گھر میں لا سکتا ہوں۔ بلکہ اچھا کیا' تم نے فیصلے میں میری مدد کر دی۔ ہاشم تو ویسے بھی اس کی فیس دینے کا سوچے ہوئے ہے' وہ اس فیصلے سے بہت خوش ہو گا۔" اس کو مزید اشتعال دلا کر وہ دوبارہ آئینے میں دیکھتے' شیو کرنے لگے اور چوکھٹ میں کھڑی' نائٹ گاؤن میں ملبوس جواہرات کا پورا جسم جل کر بھسم ہو گیا۔

لب بھینچے' گہرے گہرے سانس لیتی' سرخ دہکتی آنکھیں اورنگ زیب پہ جمائے کھڑی اس زخمی شیرنی کے اندر ایک جوار بھاٹا سا اٹھنے لگا۔ برسوں کا دبا لاوا ابلنے لگا۔ اتنا زیادہ کہ اس کے تیز ہوتے تنفس کی آواز اورنگ زیب کو بھی آنے لگی۔ نظریں موڑ کر اسے اسی حقارت سے دیکھا۔

"اپنی بدصورت شکل لے کر تم بھی یہاں سے چلی کیوں نہیں جاتیں؟"

"کون کہاں جائے گا' یہ فیصلہ اب میں کروں گی؟" نفرت سے کہتی وہ پیچھے ہٹی۔ "میں ساری عمر تمہاری ہر بری بات برداشت کرتی رہی' لیکن تم مجھے اور میرے بیٹے کو یہاں سے بے دخل کرنا چاہتے ہو۔ اب تم دیکھو کہ میں کیا کرتی ہوں۔" وہ پیچھے ہٹتی گئی یہاں تک کہ ڈریسنگ ٹیبل تک آ رکی۔ وہاں سامنے اس کا ہیئر Straigtening آئرن راڈ رکھا تھا۔ وہ کوئی عقل و خرد سے بے گانہ لمحہ تھا جب اس نے راڈ اٹھائی اور کمر کے پیچھے کر لی۔ پھر قدم قدم چلتی باتھ روم کی چوکھٹ تک آئی۔

اورنگ زیب کے آدھے چہرے پہ ابھی فوم تھا۔ گال پہ کوئی کٹ لگا جس کو صاف کرنے کے لیے وہ ٹشو لینے نیچے جھکے' تب ہی ان کی جھکی گردن کے پیچھے' آئینے میں جواہرات کا چہرہ ابھرا۔ نفرت اور غضب سے بھری آنکھوں سے پُر چہرہ۔۔۔ اورنگ زیب ٹشو اٹھا کر سیدھے ہوئے تو ٹھٹکے۔ مگر۔۔۔

جواہرات نے پوری قوت سے آئرن راڈ ان کے سر کی پشت پہ ماری۔ وہ لڑکھڑائے اور دائیں جانب جا گرے۔ ٹائلز کے فرش پہ پہلو کے بل' کہنی کے بل' ایک کٹ کنپٹی پہ لگا اور پھر سیدھے ہوئے۔ جہاں جواہرات نے مارا تھا وہ جگہ فرش سے آ لگی۔ خون نکل نکل کر بہنے لگا۔

جواہرات' ہاتھ میں آئرن راڈ پکڑے' ان ہی نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی اور وہ اس کے قدموں کے پاس بے یقینی سے گرے پڑے تھے۔

"جا۔۔۔ جوا۔۔۔" الفاظ اٹک کر نکلے۔ درد سے بولنے کی کوشش کی' اپنا ہاتھ اٹھا کر بڑھانا چاہا کہ وہ ان کو تھامے' تھام کر اٹھائے' مگر وہ چوکھٹ پہ کھڑی رہی۔ لب بھینچے' شعلہ بار نظروں سے انہیں دیکھتی۔

غریبی میں اور امیری میں۔۔۔
بیماری میں اور صحت میں
ہم ساتھ رہیں گے۔
حتی کہ موت ہم کو جدا کر دے۔

اور وہ ان کے ساتھ ہی کھڑی تھی' مگر موت ابھی جدا کرنے نہیں آ رہی تھی۔ گہرے گہرے سانس لیتے اورنگ زیب کا خون نکلنا رک گیا تھا۔ چوٹ شدید تھی' مگر جان لیوا نہیں' انہوں نے ہتھیلی کے بل اٹھنے کی کوشش کی۔ جواہرات چونکی' پھر فوراً" پیچھے ہوئی۔ واپس کمرے میں آئی۔ صوفے پہ رکھا کشن اٹھایا۔ واپس اورنگ زیب تک آئی۔ وہ اٹھنے کی ناکام کوشش اور تکلیف کے احساس سے ہانپنے لگے تھے۔ ان کے سر کے قریب' وہ گھٹنوں کے بل بیٹھی اور کشن ہاتھ میں پکڑے' ان کے اوپر جھکی۔

"مجھے تمہارے ساتھ یہ بہت پہلے کرنا چاہیے تھا۔" کشن اورنگ زیب کے منہ پہ جما کر دبایا' یوں کہ آنکھیں کشن سے باہر تھیں اور ان آنکھوں میں بے پناہ بے یقینی امڈ آئی۔ وہ بے اختیار اپنے بے جان ہاتھوں سے اس کی انگلیاں ہٹانے کی کوشش کرنے لگے۔ چیخیں' آوازیں' سب کشن کے اندر دب گئیں۔ وہ چہرہ ان کے کان کے قریب کیے کہہ رہی تھی۔

"کیا تم جانتے ہو میں نے اور ہاشم نے تمہارے لیے کیا کچھ کیا؟"

ہولے سے کہتے اس نے کشن مزید زور سے دبایا۔ مزاحمت کرتے اورنگ زیب اس کے ہاتھ کو پکڑے پاؤں ادھر ادھر مار رہے تھے۔

"ہم نے وہ کیا تھا جس کا الزام فارس کو لینا پڑا۔ ہاشم نے مروایا تھا ان دو لوگوں کو۔ کیا تم نے؟ تمہارا بھانجا بے گناہ تھا۔ کیا تم نے سنا؟ ہاشم نے کیا تھا یہ سب اور میں بھی اس میں شامل تھی۔ کیا تم نے سنا؟"

اورنگ زیب کے پاؤں ساکت ہو گئے تھے۔ جواہرات کے ہاتھوں کو ہٹاتے ہاتھ بھی ٹھہر گئے تھے۔ جواہرات نے چہرہ اٹھا کر دیکھا' ان کی بے یقینی اور دکھ سے پھیلی آنکھیں ساکت تھیں۔ سانس نکل چکا تھا' مگر کیا آخری بات انہوں نے سنی تھی؟ کیا پہلے سانس نکلا تھا یا پہلے دل نے صدمے سے کام کرنا چھوڑا تھا؟

اس نے کشن ہٹایا۔ چونکہ ان کے سر سے نکلتا خون فرش پہ دوسری طرف کو جا رہا تھا۔ سو جواہرات کے کپڑوں پہ خون کا کوئی نشان نہیں لگا تھا۔ وہ آہستہ سے کھڑی ہوئی۔ اورنگ زیب کی کھلی آنکھیں' کھلے لب اور بے حس و حرکت وجود اس کے قدموں میں پڑا تھا۔ ایک ہاتھ میں اسٹیپلر راڈ اور دوسرے میں کشن لیے کھڑی جواہرات کے سنگ دل چہرے کے رنگ بدلنے لگے۔ ایک دم چونک کر اس نے ادھر ادھر دیکھا۔

وہ باتھ روم میں کھڑی تھی۔ اس نے اپنے شوہر کو قتل کر دیا تھا اور اس کا بیٹا چند قدم دور دیوار کے پار موجود تھا۔

"اوہ خدایا۔" وہ بدک کر پیچھے ہٹی۔ ہراساں نظروں سے اورنگ زیب کی لاش کو دیکھا۔ اس کے چہرے پہ پسینہ آنے لگا تھا۔ اوہ خدا... اب وہ کیا کرے؟

جواہرات سینے پہ ہاتھ رکھے' اپنی بے ترتیب دھڑکنیں سنتی کتنی دیر دیوار سے لگی کھڑی' تیز سانسیں لیتی رہی۔ بمشکل اعصاب بہتر ہوئے تو وہ باتھ روم سے نکلی۔ کمرے کے دروازے تک آئی۔ اسے ذرا سا کھولا۔ درز سے باہر صوفے پہ بیٹھے ہاشم اور سونیا نظر آئے۔ اس نے جلدی سے دروازہ بند کر کے لاک کر دیا۔ وہ اس کا ہر مسئلہ سنبھال لیا کرتا تھا۔ مگر آج وہ ہاشم کو نہیں بلا سکتی تھی۔ اسے جو کرنا تھا' خود کرنا تھا۔

کشن اور آئرن راڈ اورنگ زیب کی لاش کے ساتھ ہی گرے تھے۔ وہ تیزی سے اندر آئی' خون کے تالاب سے پیر بچاتی وہ دونوں چیزیں اٹھائیں' ڈریسنگ روم کی وارڈروب کھولی' اوپری خانے میں پیچھے کر کے ان کو گھسایا' الماری بند کر کے لاک کی اور پھر مڑی تو بیڈ کنارے گری فائل نظر آئی۔ وہ جو فساد کی جڑ تھی۔ پھرتی سے اس کو بھی دراز میں گھسایا۔ پھر آگے آئی۔ ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں اپنا عکس دیکھا۔

ریشمی گاؤن کندھوں سے ڈھلک رہا تھا' چہرہ سفید تھا' بالکل مردہ اور آنکھیں..... نہیں..... اس کی آنکھیں ناقابل بیان تھیں۔ ان کی کیفیت لفظوں میں نہیں سما سکتی۔

وہ باتھ روم میں داخل ہوئی۔ سنک کے اوپر کھڑے نل کھولا۔ چہرے پہ پانی ڈالا۔ پھر اسے تولیے سے تھپتھپایا۔ قدرے سکون آیا۔ سنک کے مرمریں پتھر پہ ہاتھ رکھے۔ اس نے نیچے دیکھا۔ اورنگ زیب کی کھلی آنکھوں والی لاش ہنوز پڑی تھی۔

اب اسے کیا کرنا تھا؟ یہ..... یہ اس نے نہیں کیا تھا۔ یہ صرف اور صرف ایک حادثہ تھا اور اسے حادثہ کیسے بنانا تھا؟

جواہرات کا دماغ تیزی سے کام کرنے لگا۔ اس نے پہلے باتھ روم کے دوسرے دروازے کو دیکھا جو پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا اور پھر واپس کمرے میں آئی۔ کمرے کا بھی ایک دروازہ پچھلے برآمدے میں کھلتا تھا۔ جواہرات نے اس دروازے کی چٹخنی گرا دی اور پھر سے باتھ روم میں آئی۔ دروازہ اندر سے بند کیا۔

"یہ اس طرح اورنگ زیب نے لاک کیا ہو گا' پھر وہ شیو بنانے لگے ہوں گے۔" اس نے بڑبڑاتے ہوئے شیو کے سامان کو سنک کے سلیب پہ پھیلایا۔ ریزر اورنگ زیب کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے جا گرا تھا۔ اس نے وہ اٹھا کر ان کے ٹھنڈے ہاتھ میں دے دیا۔ وہ

ان کا چہرہ دیکھنے سے احتراز برت رہی تھی۔

"اور شیو کے دوران انہوں نے نہیں دیکھا کہ یہ ٹونٹی لیک ہو رہی ہے۔" کہتے ہوئے سنک کے نیچے جھکی، وہ نیچے سے کھلا تھا۔ اس نے پائپ میں ریزر سے ہلکا سا کٹ لگایا۔ پانی دھار کی صورت ٹپکنے لگا۔ وہ اس طرف جا رہا تھا جہاں اورنگ زیب کا وجود گرا پڑا تھا۔

"اور پھر اس پانی سے وہ پھسل گئے، سر پہ چوٹ لگی اور..." بڑبڑاہٹ روکی، ان کی لاش کے ایک طرف سے احتیاط سے پھلانگ کر وہ باتھ روم کے دوسرے دروازے تک آئی جو برآمدے میں کھلتا تھا۔

اس نے سوچا کہ ایک آخری نظر مڑ کر اورنگ زیب کو دیکھے۔ مگر... وہ پلٹے بنا دروازہ کھول کر باہر آئی اور اسے احتیاط سے اپنے پیچھے بند کیا۔

باہر سرد ہوا ہر سو چل رہی تھی۔ ریشمی گاؤن کو خود پہ لپٹتے، اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ اس طرف سی سی ٹی وی کیمرے نہیں تھے۔ آس پاس کوئی ملازم بھی موجود نہیں تھا۔ وہاں اندھیرا اور سردی تھی۔ نیچے فارس کی انیکسی بھی اندھیرے میں ڈوبی دکھائی دیتی تھی۔

جواہرات سے چند قدم کے فاصلے پہ کمرے کا دروازہ تھا۔ جس کی چٹخنی اس نے اندر سے گرا رکھی تھی۔ سینے پہ بازو لپیٹے، سر جھکائے، وہ دروازے کی طرف جا رہی تھی، جب...

"مسز کاردار..." آواز پہ وہ کرنٹ کھا کر اچھلی، ادھر ادھر دیکھا۔ پھر... گردن اٹھائی۔ اوپر ہاشم کی بالکونی میں پودوں کو پانی دیتی میری جھکی کھڑی تھی۔

"آپ اتنی ٹھنڈ میں باہر ہیں۔ کیا میں آپ کو شال لا دوں؟"

وہ فکرمندی سے کہتی پانی کی بکٹ رکھنے لگی۔ جواہرات نے سفید پڑتے چہرے پہ بمشکل مسکراہٹ لانے کی کوشش کی۔

"نہیں... میں اندر جا رہی ہوں۔ یہ پودے دیکھنے آئی تھی۔" برآمدے میں قطار میں رکھے پودوں کی طرف اشارہ کیا۔ خوامخواہ کی وضاحت۔

"میں نے ان کو وقت پہ پانی دے دیا تھا۔"

"اوکے... تم ایسا کرو اورنگ زیب کے لیے کافی بنا دو۔ وہ ابھی شاور لیں گے، سو پندرہ بیس منٹ تک لے آنا۔" اور پھر بدقت مسکرائی۔ سانس ابھی تک اٹکا تھا۔ میری نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اورنگ زیب صرف اس کے ہاتھ کی کافی پیتے تھے۔ جواہرات کمرے کا دروازہ کھول کر اندر آئی اور پھر پشت دیوار سے لگا کر آنکھیں بند کیے گہرے سانس لینے لگی۔

میری نے کچھ نہیں دیکھا، میری نے کچھ نہیں دیکھا۔ اس نے خود کو تسلی دی۔ پھر ڈریسنگ ٹیبل کی طرف آئی۔ اسٹول پہ بیٹھی۔ اسفنج اٹھایا۔ چہرے پہ پاؤڈر کیا۔ آنکھوں میں مسکارا اور ہونٹوں پہ ہلکی سی لپ اسٹک... مسکرانے کی کوشش کی۔ کیا وہ بہتر لگ رہی تھی یا اس کی آنکھیں ابھی تک کھوکھلی دکھ رہی تھیں؟

گاؤن کی ڈوری کسی اور موبائل اٹھائے وہ باہر نکلی۔ ہاشم اور سونیا بدستور اسی طرح بیٹھے تھے، ٹی وی چل رہا تھا۔

"ہاشم! میرا ای میل نہیں کام کر رہا۔ کیا تم اسے فکس کر دو گے۔" فکرمندی سے کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ وہ جو ابھی ماں کے چہرے کو دیکھ بھی نہ پایا تھا۔ نگاہیں موبائل پہ جھکا دیں اور اسے اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

"کیا مسئلہ ہے۔" اسکرین پہ انگلی چلاتا دیکھنے لگا۔ جواہرات اس کے قریب صوفے پہ بیٹھی، ٹانگ پہ ٹانگ جمائی، انگلیاں باہم ملائیں گویا ان کی لرزش روکنے کی سعی کی۔

"میلز سینڈ نہیں ہو رہیں۔ اپنے اکاؤنٹ کی طرف کچھ بھیج کر دیکھو۔"

"اوکے..." وہ ٹائپ کرنے لگا۔ "یہ ہاشم ہے مام کے فون سے۔" لکھا اور اپنے ای میل پہ بھیجا۔

"چلی گئی... شاید کوئی وقتی ایرر ہو۔" مسکرا کر کہتے موبائل اس کی طرف بڑھایا۔ جواہرات نے بدقت مسکراتے اسے تھاما۔ وہ پھر سے ٹی وی دیکھنے لگا۔

"تمہاری اپنے ڈیڈ سے کوئی بات ہوئی؟"

"شیرو کے بارے میں؟ نہیں' میں ان کے غصے کے ٹھنڈے ہونے کا انتظار کرنا چاہتا ہوں؟"

"علیشا کے بارے میں۔۔۔" وہ ذرا توقف کے بعد اٹک اٹک کر کہنے لگی۔ نگاہیں ٹی وی اسکرین پہ جمی تھیں۔ "تم اس کی فیس دینے لگے ہو' مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ اپنے ڈیڈ سے ایک دفعہ کھل کر بات کرلو۔ کیا پتا وہ خود بھی دل سے یہ ہی چاہتے ہوں اور اسی بہانے شیرو کو معاف کردیں۔" بولتے ہوئے اسے لگا اس کی گردن پہ پسینہ آرہا ہے اور شاید ہتھیلیوں کے اندر بھی۔ دل بھی دھک دھک کررہا تھا۔

ہاشم آنکھیں ٹی وی پہ جمائے چند لمحے خاموش رہا۔

"اب نہیں دے رہا فیس' ضرورت نہیں رہی۔"

وہ چونکی۔ "کیوں؟"

"اس نے پیسے کے لیے جرم کیا' اب جیل میں ہے اور یونی ورسٹی جانے کی ضرورت نہیں رہی۔"

جواہرات دم سادھے اسے دیکھے گئی۔ اسے یوں لگا آنسو آنکھوں سے ابلنے کو بے تاب تھے' مگر اس نے انہیں نگل لیا۔

"آئی۔۔۔ آئی ایم سوری!" ہاشم نے بس سر کو خم دیا اور اسکرین کی طرف دیکھتا رہا۔

وہ دونوں کچھ نہیں بولے' حتیٰ کہ میری کافی کی ٹرے اٹھائے آئی۔

"سوری! مجھے دیر ہوگئی' میرے بیٹے کا فون آگیا تھا۔" وہ عادتا" وضاحت دیتی کمرے کی جانب بڑھی۔

"کاردار صاحب سے کہنا' باہر آجائیں' ہاشم نے ان سے کچھ بات کرنی ہے۔" جواہرات نے پکارا۔ وہ سر ہلا کر اندر چلی گئی۔ چند ہی لمحوں بعد باہر نکل آئی۔

"سر باتھ روم میں ہیں' میں نے کافی ٹیبل پہ رکھ دی ہے۔"

جواہرات نے (ہاتھوں کی نمی مٹھی میں چھپاتے) تعجب سے اسے دیکھا۔

"ابھی تک نکلے نہیں؟ شاید شیو بنانے لگے ہوں۔ اوکے۔ تم جاؤ۔" اور جیسے سر جھٹک کر خود ہی مطمئن ہوگئی۔

"میں ان سے ابھی اس موضوع پہ بات نہیں کرنا چاہتا۔" کافی دیر بعد وہ بولا۔ دیکھ ہنوز ٹی وی کو رہا تھا۔

"مگر تمہیں کرنی چاہیے۔" وہ نرمی سے بولی۔ تو ہاشم چپ رہا۔ چند منٹ یوں ہی بیٹھا سوچتا رہا' پھر اٹھا۔

"اوکے۔۔۔" پھر اورنگ زیب کے کمرے کی جانب بڑھا۔ جواہرات کا میک اپ سے ڈھکا چہرہ سفید پڑنے لگا۔ زور سے صوفے کی گدی مٹھی میں بھینچی۔ سانس روکے ہاشم کو اندر جاتے دیکھا۔ اس نے دروازہ کھولا۔ کمرہ خالی تھا۔ کافی میز پہ دھری تھی۔ ادھر ادھر گردن گھمائی۔ باتھ روم کا دروازہ بند تھا۔ ہاشم واپس پلٹ آیا۔ چوکھٹ میں ایک دم وہ ٹھہرا۔ جواہرات اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

"ڈیڈ کتنی دیر سے اندر ہیں؟"

"کیا ابھی تک نہیں نکلے؟" وہ بے اختیار کھڑی ہوئی۔ چہرے پہ در آتی پریشانی چھپا نہیں سکی۔

"وہ اتنی دیر کبھی بھی نہیں لگاتے۔" ہاشم ایک دم مڑا اور باتھ روم کے دروازے تک آیا۔ اسے کھٹکھٹایا۔ پہلے ہلکا۔ "ڈیڈ؟" پھر زور سے "ڈیڈ؟ ڈیڈی؟ آپ ٹھیک ہیں؟"

جواہرات تیزی سے اس تک آئی۔ "اورنگ زیب؟" کانپتی آواز میں پکارا۔ ہاشم اب پریشانی سے دروازہ دھڑ دھڑا رہا تھا۔

"اس دروازے کی چابی کدھر ہے۔"

"نہیں۔۔۔ وہ چٹخنی چڑھاتے ہیں عموما"۔"

وہ اب زور سے دروازے پہ ہاتھ مارنے لگا۔ ساتھ ان کو پکار بھی رہا تھا۔ شور سن کر میری بھاگی چلی آئی۔

"ڈیڈ دروازہ نہیں کھول رہے میری' تم برآمدے والا دروازہ چیک کرو' وہ کھلا ہے کیا؟" وہ زور سے دروازے کو بوٹ سے ٹھوکر مارتے بولا۔ میری ہکا بکا آگے بڑھی کہ۔۔۔

"میں وہ دروازہ دیکھتی ہوں' تم شیرو کو بلاؤ' جاؤ میری!" جواہرات کو قدرے چلا کر کہنا پڑا۔ میری کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کرے' مگر چونکہ جواہرات خود برآمدے کی طرف جانے لگی تھی تو وہ فورا" لاؤنج میں

بھاگی۔ جواہرات چند ہی لمحے بعد واپس آگئی۔

"وہ دروازہ بھی بند ہے۔" اس نے جھوٹ بولا۔ ہاشم نے سنا بھی نہیں' وہ دیوانہ وار باپ کو پکارتے دروازے پہ بوٹ مار رہا تھا۔

"ڈیڈ! آپ اندر ہیں؟ ڈیڈ؟" اور تب ہی شیرو بھاگتا ہوا اندر آیا۔ میری بھی اس کے پیچھے تھی۔

"تمہارے ڈیڈ..." جواہرات نے اسے صورت حال سمجھانی چاہی' مگر آنسوؤں نے گلا بند کردیا۔ اسے سمجھنے کی ضرورت نہیں تھی۔

"ڈیڈی؟ ڈیڈی؟" وہ ہاشم کے ساتھ' اسی دیوانہ وار انداز میں اونچا اونچا پکارتا دروازے کو دھکا دینے لگا۔

"خاور کہاں ہے؟" جواہرات کے پوچھنے پہ میری بتانے لگی۔

"وہ تو گھر جاچکا ہے' اسے کال کروں؟"

"ضرورت نہیں ہے۔"

(اور جو آخری شخص وہ ادھر چاہتی تھی وہ خاور تھا۔)

"ڈیڈ... ڈیڈ..." پکارتے ہوئے ہاشم نے پوری قوت سے دروازے کو ٹھوکر ماری تو چٹخنی ٹوٹی' وہ اڑتا ہوا دوسری جانب جا لگا' اور اندر کو لڑھکتا ہاشم گرتے گرتے بچا اور پھر اسے لگا اس کے جسم سے جان نکل گئی ہے۔

فرش پہ خون تھا اور چت گرے' کھلی آنکھوں والے اورنگ زیب کاردار' ان کی آنکھیں بالکل ساکت تھیں' چہرہ بے رنگ۔

نوشیرواں بچوں کی طرح چیختا ان کو پکار رہا تھا اور ہاشم... وہ بے دم سا گھٹنوں کے بل نیچے بیٹھتا چلا گیا۔

میری نے چیخ روکنے کو دونوں ہاتھ منہ پہ رکھ لیے۔ پھر نگاہیں اٹھیں۔ برآمدے کی طرف کے دروازے کی چٹخنی کھلی تھی۔

"میری... اسپتال... ڈاکٹر... کسی کو کال کرو۔" آنسو ابل ابل کر جواہرات کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔ میری کا لمحے بھر کو کنڈی پہ الجھا ذہن وہاں سے ہٹا اور وہ فوراً" باہر بھاگی۔ جواہرات نے سفید' بھیگے چہرے کے ساتھ اندر قدم رکھا۔ شیرواں کا چہرہ تپتپا رہا تھا۔ شاید رو بھی رہا تھا۔ ان کو بار بار پکار رہا تھا اور ہاشم بالکل ساکت سا ان کے قریب بیٹھا تھا۔ ان کے بے جان' لڑھکے ہوئے ہاتھ کو دیکھ رہا تھا۔ جواہرات قدم قدم چلتی اورنگ زیب کے سر کے قریب آکھڑی ہوئی۔

اس کے دونوں بیٹے' باپ پہ جھکے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ قدم قدم پیچھے ہٹی' جیسے شاک اور بے یقینی سے ہٹ رہی ہو' یہاں تک کہ اس کی پشت پہ برآمدے کا دروازہ آگیا۔ اس نے نامحسوس انداز میں ہاتھ پیچھے کیا۔ چٹخنی لگائی۔ (جس کی آواز شیرو کے زور زور سے باپ کو پکارنے کے شور میں دب گئی۔) اور پھر وہ آہستہ آہستہ چلتی اورنگ زیب کے سر کے قریب آگئی۔

"کوئی آکیوں نہیں رہا؟ ممی کسی کو بلائیں۔ ڈیڈی کو اسپتال لے کر جانا ہے۔" شیرو آستین سے آنکھیں رگڑتا کہہ رہا تھا۔ "یہ کیا ہوا ہے ڈیڈی کو؟"

"ہی از ڈیڈ' شیرو۔" ہاشم نے بے جان سا کہتے ہوئے باپ کے ہاتھ کو تھاما۔ جیسے ہی ان کی جلد کو مس کیا' ہر سو کرب سا پھیل گیا۔ "ہم باہر بیٹھے رہے' اتنے قریب اور وہ اکیلے تھے۔ وہ پھسل گئے۔" اس نے اردگرد گرے پانی کو دیکھا۔ "اور ہمیں پتا بھی نہیں چلا۔" وہ سرخ ہوتی آنکھوں سے کہتا اٹھا اور سہارا دے کر باپ کو اٹھانے لگا۔ نوشیرواں نے دوسرے کندھے سے انہیں تھاما اور لوگ اسی دن کے لیے تو بیٹے مانگتے ہیں۔

میری واپس آگئی تھی۔ ہاشم اور شیرو' اورنگ زیب کو باہر لا رہے تھے۔

میری کی نگاہیں سب سے پہلے برآمدے کے دروازے تک گئیں۔ چٹخنی بند تھی۔ مگر اس نے ابھی تو دیکھا تھا کہ... لیکن سوچنے کی مہلت نہیں ملی۔ کیونکہ جواہرات جو بالآخر ہر بوجھ سے آزاد ہو کر' ساری کارروائی کامیابی سے اپنے رنگ میں دکھا کر' نڈھال سی ہو گئی تھی اور شاید اپنا توازن برقرار نہ رکھ سکی اور گرنے کو تھی کہ میری نے "مسز کاردار" چلاتے ہوئے آگے بڑھ کر اس کو تھاما۔ ہر شے سے بے نیاز'

اس کا ذہن بھیانک تاریکی میں ڈوب رہا تھا اور آنکھوں سے پانی برابر گر رہا تھا۔

"اورنگ زیب۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔"

☼ ☼ ☼

بے کراں تنہائیوں کا سلسلہ رہ جائے گا
تیرے میرے درمیاں بس اک خلا رہ جائے گا

نیند کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، جس قسم میں اس وقت جواہرات ڈوبی تھی وہ بہت تکلیف دہ تھی اور اس سے جاگنا اس سے بھی زیادہ کرب آمیز۔ آنکھیں کھولیں تو وہ اپنے بیڈ پہ مخملیں لحاف میں لیٹی تھی۔ پلکیں جھپکا جھپکا کر ارد گرد دیکھتے وہ کہنیوں کے بل اٹھی۔ سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ پہلے لگا وہ سب خواب تھا، مگر نہیں، حقیقت لمحے بھر میں ہی سامنے ناچنے لگی۔

وہ کمرے میں تنہا تھی، مگر یقیناً گھر میں بہت لوگ جمع تھے۔ اس نے پیر زمین پہ رکھے۔ سائیڈ ٹیبل پہ دوائیں دھری تھیں۔ اسے سکون آور انجکشن دے کر ڈاکٹر آفتاب ملک نے سلایا تھا۔ ان کی فیملی ڈاکٹر سرکاری اسپتال میں ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ۔ جن کو سب سے پہلے بلایا گیا تھا۔ یہ نام ذہن میں آیا تو جھماکا سا ہوا۔ وہ جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

خوف اور وحشت نے اسے اپنے گھیرے میں لے لیا۔ ڈاکٹر دھوکا کھا جائے گا کیا؟ شاید نہیں۔

بمشکل قدم قدم چلتی وہ دروازے تک آئی۔ ذرا سا کھولا تو باہر ہاشم اور خاور کھڑے نظر آئے۔ وہ آپس میں بات کر رہے تھے۔ ابھی صبح نہیں ہوئی تھی اور میت کے گھر آنے والوں کا انتظام کھلے سبزہ زار میں تھا۔ جواہرات نے دروازے کے پیچھے کان لگا کر سنا، خاور کہہ رہا تھا۔

"موت سے پہلے وہ فیروز حیات کی پارٹی سے آئے تھے۔ مجھے ڈر ہے انہوں نے سر کو کچھ ڈرگز نہ پلا دی ہوں۔ ہمیں پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے، تاکہ اگر وہ کسی اور وجہ سے پھسلے ہوں تو وہ سامنے آجائے۔"

"میں اپنے باپ کی لاش کی بے حرمتی نہیں ہونے دوں گا۔" وہ سیاہ کرتے اور سفید شلوار میں ملبوس تھا، آنکھوں میں سختی تھی، مگر چہرہ زرد ویران سا تھا۔

"سر۔۔۔ وہ اتنے کمزور نہیں تھے کہ گریں تو اٹھ نہ سکیں۔ ڈاکٹر آفتاب خود اصرار کر رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہتے ہیں تو آپ کو کروانا چاہیے۔"

ہاشم نے اب کی بار انکار نہیں کیا۔ اس کی خاموشی نیم رضامندی تھی۔ جواہرات نے گہری سانس لی اور دروازہ پورا کھولا، باہر نکلی، دونوں نے چونک کر اسے دیکھا۔ ہاشم فکرمندی سے آگے بڑھا۔

"ممی! آپ ٹھیک ہیں؟" نرمی سے اس کو شانوں سے تھاما۔ خاور نے افسوس سے تعزیت کی۔

"اورنگ زیب کہاں ہے؟ منع مت کرنا، میں ہوش نہیں کھوؤں گی، کچھ دیر اس کے پاس بیٹھنا چاہتی ہوں۔" اس نے بھی اتنی ہی نرمی سے کہا کہ وہ اسے کندھوں سے تھامے راہ داری میں آگے لے آیا۔

یہاں ایک بیڈ روم میں ڈاکٹر آفتاب میت کے ہمراہ کھڑے تھے۔ وہ اندر آئی اور ملازموں کو باہر نکل جانے کو کہا۔ ہاشم اور میری سمیت سب نکلے اور دروازہ بند کردیا تو اورنگ زیب کے سرہانے کھڑی جواہرات ڈاکٹر آفتاب کی جانب گھومی۔ وہ دونوں اب اکیلے تھے۔

"تو آپ کہہ رہے ہیں کہ پوسٹ مارٹم کروانا چاہیے؟" وہ تیکھی نظروں سے انہیں گھورتی، ایک دم پھنکاری تھی کہ وہ جو تعزیت کرنے لگے تھے، تعجب سے اسے دیکھنے لگے۔

"جی۔۔۔ کیونکہ جو زخم ان کے۔۔۔"

"مطوبی یاد ہے، کون تھی؟"

ڈاکٹر آفتاب کو گویا لقوہ ہو گیا، ہکا بکا سے اسے دیکھنے لگے۔ وہ سینے پہ بازو لپیٹے، چبھتی نظروں سے دیکھتی ان کے قریب آئی، بالکل مقابل یہاں تک کہ واضح محسوس ہونے لگا کہ وہ ان سے دراز قد تھی۔

"مطوبی! آپ کی بیوی کے پہلے شوہر سے ہوئی بیٹی تھی۔ یاد ہے آپ نے کیسے اس کے ساتھ زیادتی کی تھی اور میں نے اسے کور اپ کرنے (چھپانے) میں آپ کی کیسے مدد کی تھی؟ آپ کی بہت ساری گفتگو

ریکارڈڈ ہے میرے پاس۔ کیا سنوادوں آپ کے بچوں کو؟"

ڈاکٹر آفتاب نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا' پھر پریشانی سے اس کے قریب آئے۔

"مسز کاردار! وہ میرے اور آپ کے درمیان تھا۔"

"تو پھر جیسے وارث غازی کی پوسٹ مارٹم رپورٹ آپ نے بدلوائی تھی' ویسے ہی یہ رپورٹ بھی میری مرضی کی لکھی جائے گی' سمجھ میں آرہا ہے کہ میں کیا بات کررہی ہوں؟"

ڈاکٹر آفتاب کا سر خود بخود اثبات میں ہلا۔ وہ کچھ بولنے کے قابل نہیں رہے تھے۔

باہر سب لوگ بکھر چکے تھے۔ ہاشم برآمدے میں جا کھڑا ہوا تھا۔ سبزہ زار میں بیٹھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ وہیں کھڑا دور پہاڑوں پہ طلوع ہوتا صبح کا سورج دیکھنے لگا۔

"ہاشم بھائی!" وہ کب اس کے ساتھ آکھڑا ہوا' اسے علم نہیں ہوا۔ سعدی کے پکارنے پہ چونکا۔ وہ ۔ خبر ملنے پہ آفس کے راستے سے ہی ادھر آگیا تھا۔

"بہت افسوس ہوا مجھے' کیسے ہوا یہ سب؟" وہ تاسف سے پوچھ رہا تھا اور پژمردہ کھڑا ہاشم آہستہ آہستہ بتانے لگا۔

✻ ✻ ✻

جانے کس کے لیے وا ہے ترا آغوش کرم
ہم تو جب ملتے ہیں' ایک زخم نیا لیتے ہیں

جیل کی اونچی چار دیواری کے اندر اس کھلے احاطے میں وہ دونوں کنارے کنارے چل رہے تھے۔ احمر مدھم آواز میں کچھ کہہ رہا تھا اور فارس آنکھیں سکیڑے گردن موڑ کر ایک طرف دیکھ رہا تھا۔

"آپ نے سوچا ہے' یہاں سے نکل کر کیا کریں گے' غازی بھائی؟"

"تم وہی کرو گے جو پہلے کرکے ادھر آئے ہو۔ فراڈ اور جعل سازی۔" اس نے اسی خشک انداز میں کہہ کر سر جھٹکا۔ احمر نے نہایت صدمے سے اسے دیکھا۔

"میں نے صرف ایک۔۔۔" انگشت شہادت اٹھا کر دکھائی۔ "صرف ایک دفعہ یہ حرکت کی تھی اور دوبارہ کبھی نہیں کروں گا۔"

"تم بالکل کرو گے۔ انسان نہیں بدلا کرتے' جو ایک دفعہ کرتا ہے وہ دوبارہ ضرور کرتا ہے۔" ساتھ ہی جوتے سے کنکر کو ٹھوکر ماری۔

"اشفاق احمد نے کہا ہے' جو اچھا انسان صرف ایک دفعہ گناہ کرے اور پھر توبہ کرلے تو وہ دوبارہ کبھی ایسا نہیں کرتا۔"

"یہ اشفاق احمد نے نہیں کہا' تم نے ابھی ابھی گھڑا ہے۔" اس صاف گوئی پہ احمر نے ناراضی سے اسے دیکھا۔

"اتنے خشک کیوں ہو رہے ہیں؟ کاردار صاحب کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے۔ مگر۔۔۔"

"کیا تم کچھ دیر خاموش نہیں رہ سکتے۔" وہ جھلا گیا۔ احمر نے ہونہہ کرکے منہ پھیر لیا' پھر لبوں میں کچھ بڑبڑایا۔ پھر ذرا کی ذرا اس کا چہرہ تکا کہ بڑبڑاہٹ کا کیا ردعمل آیا ہے' مگر وہ نہیں سن رہا تھا۔

"آپ کو ان پہ ابھی تک غصہ ہے؟"

"اونہوں۔۔۔ صرف افسوس ہے۔ غصے والی اٹیچ منٹ نہیں رہی ان سے کبھی۔"

"اور شاید اس بات کا بھی دکھ ہے کہ وہ آپ کی بے گناہی جانے بغیر ہی دنیا سے چلے گئے۔"

"پتا نہیں۔" وہ اسی طرح بے زار سا قدم اٹھاتا رہا۔ دونوں تب رکے جب راہ میں ایک سپاہی آن کھڑا ہوا۔

"تمہاری ملاقات ہے۔" فارس کو اشارہ کیا۔

"کون؟" وہ چونکا۔

"پراسیکیوٹر صاحبہ۔" ان دونوں نے بے اختیار ایک دوسرے کو دیکھا۔ احمر کے لب "اوہ۔۔۔" میں سکڑے۔

"ایک ہفتے میں دوسری ملاقات؟ یہ چڑیل کو اتنا رحم کب سے آنے لگا؟"

مگر وہ سنے بغیر بے تاثر اور سخت تاثرات کے ساتھ چلتا' سپاہی کے پیچھے ہولیا۔ جب اس کے سامنے آکر

کرسی پہ بیٹھا تو ابرو تنے تھے، مگر آنکھوں کی سختی میں کمی تھی۔ وہ سفید لمبی قمیص کے اوپر سیاہ منی کوٹ میں ملبوس تھی، سفید دوپٹا شانوں پہ تھا اور بال کیچو میں ہاف بندھے تھے۔ نگاہیں میز پہ رکھے اپنے باہم ملے ہاتھوں پہ تھیں، لونگ کی دمک برسوں بعد بھی ویسی ہی تھی۔ وہ بیٹھ چکا تو زمر نظریں اٹھا کر اس کے چہرے تک لے گئی۔ وہ سپاٹ، مگر چبھتی ہوئی نگاہیں تھیں۔

"ایک ہفتے میں دوسری دفعہ؟ اتنا رحم کب سے آنے لگا آپ کو؟" احمر کے الفاظ (سینسر کرکے) دہرائے۔ آنکھیں اس کی بھوری آنکھوں پہ جمی تھیں۔

"پہلے سننے آئی تھی، اب بولنے آئی ہوں۔ دھیان سے سننا، کیونکہ جب میں بولوں گی تو آواز باہر تک جائے گی۔" الفاظ اس کے لبوں سے ادا ہوئے اور ماحول کا تناؤ بڑھ گیا۔ فارس کی آنکھوں کی نرمی مدھم ہوتی گئی۔

"کہیے۔"

"تم نے کہا، میں تصویر کا دوسرا رخ نہیں دیکھتی۔ یہ بھی کہا کہ مجھے بالکل یاد نہیں کہ کبھی میں تمہاری ٹیچر تھی۔ تم غلط تھے۔

جب وہ تمہارا سائیڈ کک میرے پاس آیا، تب میں صرف مشکوک ہوئی تھی، مگر فارس! میں تصویر کا دوسرا رخ ضرور دیکھتی ہوں، سو جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ وہ ایک وفادار انسان ہے، تو یہ بھی پتا چل گیا کہ اپنے سیل میٹ سے دغا کیوں کرے گا؟ تم لوگ جیل میں کوئی Riots پلان نہیں کررہے۔ تم جیل توڑنے جارہے ہو۔" اس کی سلگتی نگاہیں فارس کی آنکھوں کے اندر اتر رہی تھیں۔ وہ سپاٹ چہرہ لیے خاموش رہا۔

"ڈونٹ وری.... میں اس ممکنہ جرم کو رپورٹ نہیں کروں گی۔ میرے لیے زیادہ اچھا ہے کہ تم جیل توڑو اور پھر سے وہی جرم کرو جس کے لیے اندر گئے تھے۔ پتا ہے، تم کیا کرو گے؟" آگے جھکی، میز پہ زور سے ہاتھ مارا، دہکتی آنکھوں سے اسے تنفر سے دیکھا۔

"دوبارہ شادی کرو گے اور اس بیوی کو بھی مار دو گے، تم سب وائف کلرز کی سائیکی ایک ہی ہوتی ہے۔ اس لیے تو توڑو جیل، تاکہ سب جان لیں کہ تم گناہ گار تھے، اسی لیے بھاگے۔"

وہ چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔ کرسی پہ پیچھے کو ہو کر بیٹھا، منہ میں کچھ چباتے ہوئے شاید کوئی کاغذ کا ٹکڑا تھا۔

"مگر تمہیں یہ پلان کسی اور کے ساتھ مل کر بنانا ہوگا، کیونکہ احمر شفیع کے خلاف چارجز پراسیکیوشن ڈراپ کررہا ہے۔ ثبوت کی عدم موجودگی کی وجہ سے۔ سو وہ جلد رہا ہو جائے گا۔" فارس نے کوئی ردعمل نہیں دیا۔ بس اسے دیکھتا رہا۔

"معلوم ہے کیا، اتنے سال بعد، پہلی دفعہ میں نے چند دن کے لیے فرض کرلیا تھا کہ تم بے گناہ ہو، میں تمہارا کیس خود لینے لگی تھی، میں تمہیں Presumed Innocent خیال کرکے تمہاری طرف کی کہانی کے حق میں ثبوت ڈھونڈنے جارہی تھی، مگر......"

اور پھر اس کی آنکھوں میں صدمہ اترا۔ نفرت سے اسے دیکھتے نفی میں گردن ہلائی۔

"مگر تم نے پھر مجھے استعمال کیا۔ فارس! تم مجھے کیا سمجھتے ہو؟ میں تمہاری ٹیچر تھی۔ سعدی کی پھپھو تھی یا کوئی بے کار چیز جس کو تم ہمیشہ استعمال کرتے جاؤ؟ میرا یہ حال کردیا تم نے، کیا یہ کافی نہیں تھا جو تمہیں رہائی بھی میرے کندھے پہ پیر رکھ کر چاہیے تھی؟" آگے ہو کر ایک ایک لفظ غصے سے بولتے ہوئے زمر کی آواز بلند ہو رہی تھی۔ آنکھوں میں اب نمی بھی اترنے لگی تھی۔

"اس حرکت کے لیے کسی بھی پراسیکیوٹر یا پولیس آفیسر کو استعمال کرسکتے تھے، تم کیا مجھے استعمال کرتے ہوئے اس لڑکے کو میرے لیے پیغام دیتے تمہیں ایک لمحے کو بھی احساس نہیں ہوا کہ تم بار بار ایک عورت کو استعمال کررہے ہو؟ تم مجھ سے چاہتے کیا تھے؟"

غصے سے بولتے بھی ایک آنسو آنکھ سے لڑھک کر گال پہ جا گرا۔ اسے خود بھی نہیں احساس ہوا کہ کوئی

آنسو گرا ہے۔

وہ تب بھی چپ رہا۔

"اور معلوم ہے میں اتنی دیر سے تمہارے سامنے کیوں بیٹھی ہوں؟ تمہارے منہ سے صرف معذرت سننے کے لیے۔ یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس! مجھے دوبارہ استعمال کرنے کے لیے' میری زندگی برباد کرنے کے لیے میری صحت تباہ کرنے کے لیے کیا تم ایک دفعہ بھی معافی نہیں مانگ سکتے؟"

میز پہ زور سے ہاتھ مار کر وہ آگے کو ہوئی' آنکھیں سرخ دہک رہی تھیں۔

"یہ کہنا اتنا مشکل نہیں تھا فارس۔۔۔ آئی ایم سوری زمر" بس تین الفاظ تھے' تم ایک دفعہ مجھ سے معافی مانگ کر دیکھتے' تم ایک دفعہ یہ سارے جھوٹ بولنے کے بجائے پشیمان ہو کر دیکھتے' میں تمہارے ساتھ کھڑی ہو جاتی مگر جو تم نے اب کیا ہے نا اس سے تم میرے دل میں موجود اپنا آخری نرم گوشہ بھی کھو چکے ہو۔ تم نے ابھی ابھی اس شخص کو گنوا دیا ہے جسے اگر تمہاری بے گناہی کا یقین ہو جاتا تو وہ تمہاری سب سے بڑی طرف دار بن سکتی تھی' مگر اب۔۔۔"

پیچھے ہوتے ہوئے تنفر سے اسے دیکھتے' نفی میں گردن ہلائی۔

"اب نہیں' اب مجھے تمہارے کیس میں نہ گواہ بننا ہے نہ کچھ اور میں نے اپنی گواہی بھی واپس لے لی ہے' اس لیے نہیں کہ تم سے ہمدردی ہے' صرف اس لیے کہ میں تمہارے ساتھ کوئی واسطہ ہی نہیں رکھنا چاہتی۔ کیونکہ میرا تم سے کوئی ذاتی جھگڑا تھا ہی نہیں۔ اگر ہوتا تو تم دیکھتے میں کیسے تمہیں انجام دیتی ہوں' لیکن نہیں۔۔۔"

سر جھٹک کر میز پہ سیدھا ہاتھ مارا' وہ چپ چاپ بند ہونٹوں سے کاغذ چباتے اسے دیکھتا رہا۔

"میں تو ایک استعمال کی شے تھی جس کے ذریعے جب چاہو تم اپنا مطلب نکالو اور تمہیں ابھی بھی کوئی شرمندگی نہیں؟"

تعجب بھرے صدمے سے اسے دیکھتی وہ نفی میں سر ہلا رہی تھی۔

"فارس! تم نے مجھے اس قابل نہیں چھوڑا کہ میں کبھی اپنا گھر بسا سکوں' کبھی ماں تک نہیں بن سکتی میں۔" (اس کا چباتا جبڑا رکا' آنکھوں میں چونکنے کا تاثر ابھرا جسے اگلے ہی پل وہ چھپا گیا۔)

"میرے کبھی بچے نہیں ہوں گے' میرا غم لیے میرا باپ وقت سے پہلے مر جائے گا' مگر تم۔۔۔ کیا تم اب بھی معذرت کے تین لفظ نہیں کہہ سکتے؟ آئی ایم سوری زمر۔" یہ تین لفظ بولنا اتنا مشکل نہیں ہے۔ اس سے کچھ بھی نہیں بدلے گا' میں اب بھی تمہارے ساتھ کھڑے ہونے کا نہیں سوچوں گی' لیکن شاید۔۔۔ تمہارے لیے۔۔۔ یہ تمہارے اپنے لیے ہو شاید۔۔۔"

تیز تیز بولتے اس کو سانس چڑھ گیا تھا۔ سو خاموش ہو گئی۔ وہ کہہ چکی تھی جو وہ کہنے آئی تھی اور آواز باہر تک گئی تھی یا نہیں' میز کے پار بیٹھے فارس کے اندر تک ضرور گئی تھی۔

وہ آگے کو ہوا' ہاتھ باہم ملا کر میز پہ رکھے اور سنجیدگی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور پھر جب بولا تو ایک ایک لفظ ٹھہرا ہوا' مگر مضبوط تھا۔

"مجھے افسوس ہے جو آپ کے ساتھ ہوا۔ مجھے دکھ ہے کہ آپ کے والد آپ کا غم لے کر وقت سے پہلے مر جائیں گے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ آپ کی زندگی تباہ ہوئی' بہت صدمہ ہے کہ آپ کبھی اپنی فیملی نہیں بنا پائیں گی' بہت زیادہ ہمدردی ہے کہ آپ کی صحت وقت کے ساتھ بگڑتی چلی جائے گی۔۔۔ مگر۔۔۔" ذرا سا رکا' بنا پلک جھپکے اس کی آنکھوں میں دیکھتے کہا۔ "مگر میں فارس غازی ہوں اور فارس غازی کی اپنی نظر میں اس کی بہت عزت ہے' سو میڈم ڈسٹرکٹ پراسیکیوٹنگ اٹارنی صاحبہ! میں۔۔۔ معافی۔۔۔ نہیں مانگوں گا۔" چبا چبا کر الفاظ ادا کیے۔ ہلکا سا نفی میں سر ہلایا۔

"آپ نے جو کرنا ہے کر لیں' مگر میں معافی نہیں مانگوں گا۔" کھڑا ہو گیا تھا۔ جھٹکے سے کرتے کا گریبان ٹھیک کیا' آستین پیچھے فولڈ کی۔ "ملاقات ختم!" وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتی اٹھی۔ پرس اٹھایا اور باہر نکل

گئی۔

"اسے بتایا کیوں نہیں کہ آپ نے بصیرت صاحب کو یہ سب کہنے کا کہا تھا' اسے نہیں۔ یہ میری غلطی تھی۔" جب وہ واپس آیا سیل میں دیوار کے ساتھ بیٹھا تھا تو سلاخوں کے قریب کھڑے احمر نے پوچھا۔ اسے اپنی رہائی کا سن کر خوشی نہیں ہوئی تھی۔ پلان غارت جانے کا افسوس زیادہ تھا۔ اپنی رہائی والی بات تو مذاق لگی تھی۔

"اور وہ یقین کرلیتی؟"

"کرے یا نہ کرے' بتانا تو چاہیے تھا۔"

"میں ساری زندگی اس کو اپنی صفائی نہیں دے سکتا۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ وہ جیسی ہے اسے رہنے دو۔ اس نے بھی بہت کچھ کھویا ہے۔"

"کم از کم جیل میں تو نہیں ہے وہ۔" وہ جل کر بولا۔

"قید کی مختلف قسمیں ہوتی ہیں۔ اس کی قید اور طرح کی ہے۔ اگر اس قید میں اس کا واحد روزن کسی کو الزام دینا اور دیے چلے جانا ہے تو مجھے۔ وہ اس سے نہیں چھیننا چاہیے۔ کم از کم اس کے پاس کوئی ہے تو سہی جس کو وہ الزام دے سکے۔ میرے پاس وہ بھی نہیں اور جب کوئی ایسا نہ ہو تو انسان خود کو الزام دینے لگتا ہے' سو وہ جیسی ہے' اسے رہنے دو۔" وہ مدھم آواز میں سر جھکائے کہہ رہا تھا' مگر احمر نفی میں سر ہلاتا بحث کرنے لگا' لیکن اسے سن کون رہا تھا؟

موت سے گزر کر یہ کیسی زندگی پائی
شاخ شاخ ہوتا ہے دار کا گماں یارو

جواہرات کاردار کے کمرے میں ہیٹر کی گرمائش تھی۔ دوپہر میں بھی بند پردوں کے باعث اندھیرا لگتا تھا۔ وہ گردن تلے پھولے پھولے تکیے رکھے۔ سیاہ ریشمی لحاف میں لیٹی' ویران اور بیمار دکھتی تھی۔ بال کانوں کے پیچھے اڑسے' حلقوں سے مزین روئی روئی آنکھیں' میک اپ کے بغیر پیلا کمزور چہرہ۔ وہ تھی بھی سیاہ لباس میں اور ویران آنکھوں سے دیکھ بھی پردوں کی سیاہی کو رہی تھی۔

سعدی سامنے کرسی پہ گھٹنے ملا کر بیٹھا' فکر مندی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ اس کی طبیعت پوچھنے آیا تھا' مگر وہ سوتی جاگتی کیفیت میں' بالکل بے گانہ دکھائی دیتی تھی۔ دواؤں کا اثر شدید تھا۔

"مسز کاردار.... اللہ آپ کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔ وہ آپ کو سنبھال لے گا۔ بھروسا کر کے دیکھیں اس پہ' آپ کا ہر مسئلہ وہ حل کردے گا۔" وہ نرمی سے سمجھا رہا تھا جب کھڑکی کو دیکھتی جواہرات کے لب پھڑپھڑائے۔

"کیا تم نے وہ ڈاکومنٹری شو دیکھا ہے؟' میں غارت گر" IPredator ؟"

"نہیں.... میں دراصل...."

"اس دن اس کی ایک قسط لگی۔ وہ مادہ (غارت گردن) کے بارے میں تھی۔ غارت گروں کی ملکہ' مادہ چیتا۔ مجھے اس نے بہت رلایا معلوم ہے کیوں؟"

"آپ بتائیں کیوں۔" وہ نرمی سے آگے ہو کر سننے لگا۔ وہ گردن موڑے کھڑکی کو دیکھتی بولتی جارہی تھی۔ گویا اونچا سوچنے کی کیفیت میں ہو۔

"غارت گر جانتے ہو' کیا ہوتے ہیں؟ Predators وہ جانور جو اپنے سے کمزور کا شکار کرتے ہیں۔ تم لوگ سمجھتے ہو' وہ بھوک مٹانے یا عادت دہرانے کو ایسا کرتے ہیں' مگر نہیں' مادہ چیتا ایسی نہیں ہوتی۔ کیونکہ نر چیتا بے وفا جانور ہے' اپنی مادہ کو اولاد کا تحفہ دے کر چھوڑ جاتا ہے۔ مادہ چیتا اپنے بچوں کو تن تنہا پالتی ہے اور اس روز میں نے دیکھا' اس شو میں کہ مادہ غارت گر ہونا کتنا مشکل ہے۔"

پردے پہ جمی اس کی آنکھیں گلابی پڑنے لگیں۔ آواز رندھنے لگی۔ وہ افسوس سے اسے دیکھتا رہا۔ "وہ اپنے غم کے بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی۔ اسی لیے ادھر ادھر کی باتیں کررہی ہے" اسے یہ ہی لگا۔

"وہ ایک مادہ چیتا تھی اور اس کے دو ننھے بچے تھے۔ جن کے لیے شکار اسی کو ڈھونڈ کر لانا تھا۔ جانتے ہو' ہر چیتے کا توانائی کا ذخیرہ ہوتا ہے' ایک شکار پکڑنے کے لیے وہ جتنا بھاگتا ہے' اس کے نتیجے میں اس کی توانائی آدھی رہ جاتی ہے۔ وہ بھی اپنے بچوں کو کچھار میں چھوڑ کر

شکار پہ نکلتی ہے' گھات لگاتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے۔ وہ مگر اللہ کا نظام ہے۔ ہرن جتنا بھاگ لے' توانائی نہیں کھوتا۔ مگر وہ تیز رفتار مادہ چیتا' ہرن کو دبوچ بھی لیتی ہے۔ اپنی کچھار میں لے بھی آتی ہے' مگر آدھی توانائی کھو چکی ہوتی ہے۔ نڈھال ہے' بچے بھوکے ہیں' مگر اس سے قبل کہ وہ ہرن کے لاشے کو کھا سکے۔ ایک ببر شیر آجاتا ہے۔ ایک بڑا غارت گر۔" اس نے کرب سے آنکھیں بند کیں۔ دو آنسو نکل کر گالوں پہ لڑھکے۔

"شیر غراتا ہے اور وہ مجبور مادہ پیچھے ہٹ جاتی ہے' اگر ایسا نہیں کرے گی تو شیر اس کے دونوں بچوں پہ جھپٹ پڑے گا اور وہ شیر کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ اس کے سامنے شیر اس کا شکار کھا جاتا ہے اور وہ اپنے بچے چاٹتی رہ جاتی ہے۔"

ستے چہرے کے ساتھ وہ تلخی سے مسکرائی۔ وہ خاموشی سے سنتا رہا۔ اسے اس کہانی میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ صرف مسز کاردار کی حالت غم میں مبتلا کر رہی تھی۔ ہاشم کے ساتھ جو بھی مسئلہ تھا اس کا' اس میں اس کا تو قصور نہ تھا۔ وہ تو شاید جانتی بھی نہ ہو کہ ہاشم نے وارث کو قتل کروایا تھا اور پھر وہ تو اس کی دوست رہی تھی۔ وہ اس کے پاس آکر اکثر بیٹھتا تھا' باتیں کرتا تھا اس کی حالت سے وہ اور کیا محسوس کرتا۔

"اب اس کی آدھی توانائی ختم ہو چکی ہے۔ اسے کل لازمی شکار کرنا ہے' تاکہ وہ توانائی پوری کرے' ورنہ مرجائے گی اور بچے اس کے بعد بھوک سے ہی مر جائیں گے۔" وہ بات جاری رکھے ہوئے تھی۔ "سو اگلے روز وہ پھر نکلتی ہے' ہرن کے پیچھے بھاگتی ہے' اسے جا دبوچتی ہے اور اسے گھسیٹ کر ایک تنہا گوشے میں لے آتی ہے' اپنی ساری توانائی وہ لٹا چکی ہے' اگر یہ ہرن بھی کوئی شیر یا بڑا غارت گر لے گیا تو وہ مرجائے گی اور سب سے تکلیف دہ بات' آج ہرن نہیں بلکہ ہرن کا بچہ شکار کیا ہے' وہ اتنا چھوٹا ہے کہ اسے بچوں کو دے تو اپنے حصے میں چند لقمے ہی آئیں گے اور وہ مرجائے گی۔ توانائی برابر کرنے کے لیے اسے یہ اکیلے کھانا ہو گا' تو وہ اسے بچوں تک نہیں لے کر جاتی' خود کھا لیتی ہے۔" پلکیں بند کیں۔ آنسو متواتر گر رہے تھے۔

"بچے ابھی بھی بھوکے ہیں۔ اگلے روز وہ پھر شکار کے لیے دوڑتی ہے۔ توانائی کم ہے' کیوں کہ کل کا ہرن چھوٹا تھا' سو آج وہ ایک بڑا ہرن شکار کرتی ہے۔ بالآخر اب اس کے بچے اور وہ مل کر اسے کھا سکیں گے۔ وہ ہرن کا لاشہ گھسیٹ کر کچھار تک لاتی ہے تو۔۔۔ تو۔۔۔"

اس کی آواز کپکپائی۔ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

"تو اس کے دو ننھے چیتے وہاں نہیں تھے۔ وہ لاشہ وہیں چھوڑ کر آگے پیچھے بھاگتی ہے۔ وہ بچے جنگلی hyenas (لکڑ بھگوں) کے نرغے میں ہوتے ہیں۔ وہ قریب آتی ہے۔ حملہ نہیں کرتی۔ جھپٹتی بھی نہیں ہے۔ صرف غراتی ہے اور hyena (لکڑ بھگا) ڈر جاتی ہے' معلوم ہے کیوں؟ کیونکہ مادہ چیتا کی آنکھوں تلے سیاہ Lines ہوتی ہیں' جو غراتے وقت اسے بہت بارعب اور خوف ناک بناتی ہیں اور پھر ہائنا بھاگ جاتی ہے اور وہ۔۔۔ وہ اپنے بچوں کو واپس لے آتی ہے اور تم لوگ۔۔۔ تم لوگ سمجھتے ہو مادہ چیتا بھوک کے لیے طاقت کے زعم میں شکار کرتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا سعدی۔ کوئی اپنی خوشی سے کسی کا خون نہیں کرتا۔ اپنے بچوں کے لیے اپنی بقا کے لیے وہ ایسا کرتی ہے' اور پھر سر تکیے پر گرائے' اس نے آنکھیں موند لیں۔

آنسو ٹپ ٹپ گر رہے تھے۔ سعدی افسوس سے لبوں پہ مٹھی رکھے اسے دیکھتا رہا۔

"جاؤ سعدی! مجھے اکیلا چھوڑ دو۔" اس نے کروٹ بدلی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

کچھ دیر بعد جواہرات نے کروٹ بدلی تو ادھ کھلے دروازے سے باہر کا منظر دکھائی دیا۔ سعدی' میری اینجمو کے ساتھ کھڑا کچھ کہہ رہا تھا۔ ان کی باتیں عام نوعیت کی ہیں' وہ نہیں جانتی تھی' صرف میری کی موجودگی ہی اسے بے چین کر گئی۔ وہ کیا' کیا بول گئی

سعدی کے سامنے اور اگر جو میری نے کچھ بک دیا تو؟ اگر جو سعدی نے دو جمع دو بائیس بنا لیے تو؟ وہ اٹھنا چاہتی تھی، مگر خواب آور دوا کا اثر گہرا ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی آنکھیں بند ہوتی گئیں۔ ذہن ڈوبتا گیا اور دل ڈوب ڈوب کر ابھرتا رہا۔

اس سے یکسر بے خبر سعدی میری سے اس کے مالک کی تعزیت کر رہا تھا۔

کاہش آرزو سہی' حاصل زندگی سہی
حاصل آرزو ہے کیا سوز مدام کے سوا

وہ گھر آیا تو سناٹا سا تھا۔ سیم اسکول گیا تھا اور امی غالباً" نئے نئے ریسٹورنٹ۔ حنین نے اس کا نام رکھا تھا اور وہ جانتا تھا کہ یہ نام علیشا کے کی چین سے متاثر شدہ تھا، مگر وہ تھی کہاں؟ اس کے کمرے میں جھانکا تو وہ بیڈ پہ اکڑوں بیٹھی تھی۔ سامنے چند کاغذات پرزہ پرزہ ہوئے پڑے تھے۔ وہ اندر آیا۔ نگاہیں اس کے ویران وجود سے کاغذوں تک گئیں۔ اسے جیسے بجلی کا جھٹکا لگا۔ تیزی سے ان پہ جھپٹا۔ ٹکڑوں کو الٹ پلٹ کر دیکھا۔

"یہ کس نے کیا ہے؟ یہ تو تمہارا ایڈمیشن فارم تھا' انجینئرنگ یونیورسٹی کے لیے۔" پہلا خیال سیم کی طرف گیا تھا۔ حنہ ساکت بیٹھی رہی' وہ پریشانی سے سامنے بیڈ پہ بیٹھا۔

"حنہ... تم نے کیا ہے؟ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟ بتاؤ مجھے۔" نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔ وہ جو بستر کی چادر کو تک رہی تھی' آنکھیں اٹھائیں۔ بنا عینک کے وہ چھوٹی لگتی تھیں۔

"میں ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ مجھے نہیں پڑھنا۔" آنسوؤں سے آنکھیں بھر گئیں۔

"حنین! بس کرو۔ علیشا نہیں پڑھ سکی تو اس میں تمہارا قصور نہیں ہے۔" اب کے اسے غصہ چڑھا تھا۔

"مجھے نہیں پڑھنا بھائی۔" مگر وہ اس کی نہیں سن رہا تھا۔

"وہ علیشا اور ہاشم بھائی کا معاملہ تھا' تم نے کچھ غلط

نہیں کیا‘ تم خود کو مجرم مت سمجھو حنہ۔“

”میں مجرم ہوں۔ میں گناہگار ہوں۔“ آنسو اس کے گالوں پہ لڑھک رہے تھے۔

”حنہ! علیشا کو وہ ملا جو اس نے بویا تھا‘ علیشا نے ــــ“

”کیا علیشا علیشا لگا رکھی ہے آپ نے؟ بھاڑ میں گئی علیشا!“ وہ ایک دم اتنے زور سے چلائی کہ سعدی بے اختیار پیچھے ہٹا۔ اس کی آواز درد سے پھٹنے لگی تھی۔ ”ہر بات علیشا کی وجہ سے نہیں ہوتی۔ یہ میں ہوں‘ حنین!“ انگلی سے اپنے سینے پہ دستک دی۔ ”یہ میرے گناہ ہیں!“

کچھ تھا اس کے انداز میں‘ اس کی آنکھوں میں کہ وہ چونکا۔ پہلی دفعہ اسے لگا کہ وہ علیشا کے لیے اپ سیٹ نہیں ہے۔

”کوئی اور بات ہے پھر؟ کیا ہوا ہے حنہ؟“ قدرے متوحش سا ہو کر وہ اس کا چہرہ کھوجنے لگا۔ حنین کے آنسوؤں میں روانی آگئی۔

”میں کون ہوں بھائی؟“

”تم حنہ ہو ــــ ہمارے گھر کا سب سے پیارا اور ذہین بچہ۔ تم‘ تم کے کلچر کی دیوانی ہو اور ــــ“ وہ جلدی جلدی بتانے لگا۔ ”اور تم نے بورڈ میں ٹاپ کیا ہے‘ تم نے ــــ“ اس کی آخری بات پہ حنین سر گھٹنوں پہ گرا کر رونے لگی۔

”نہیں کیا میں نے ٹاپ۔ نہیں لی میں نے پہلی پوزیشن!“

”حنین! کیا کہہ رہی ہو؟“ وہ پریشانی سے اس کا سر تھپک رہا تھا۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ اس نے بھیگا چہرہ اٹھایا‘ گیلی آنکھوں سے بھائی کو دیکھا۔

”میں نے بورڈ ٹاپ نہیں کیا۔ مجھے غارت کر دیا ان کورین ڈراموں اور فلموں نے۔ میں نے تو اس سال پڑھا بھی نہیں ٹھیک سے۔“ اس کا سر تھپکتا سعدی کا ہاتھ ٹھہرا۔ حیرت سے اس نے حنہ کو دیکھا۔

”کیا اول فول بولے جا رہی ہو؟“

”میں نے بورڈ میں ٹاپ نہیں کیا۔“

”پاگل ہو گئی ہو؟ پورا شہر جانتا ہے تم نے بورڈ ٹاپ کیا ہے‘ تم ــــ تمہارا رزلٹ کارڈ‘ بورڈ کی تقریب‘ اخبار میں چھپا رزلٹ‘ وہ سب سچ تھا۔“

”نہیں تھا وہ سچ۔“ وہ زور سے چیخی۔ ”میں نے چیٹنگ کی تھی۔ سنا آپ نے؟ میں نے پیپرز پہلے سے دیکھ رکھے تھے۔“

اسے گویا بچھو ڈنک مار گیا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا۔ نفی میں سر ہلاتا پیچھے ہوا۔ ”کیا بکواس ہے حنہ؟ کوئی چیٹنگ کر کے ٹاپ نہیں کر سکتا ــــ کوئی پیپرز بھی پہلے نہیں دیکھ سکتا۔ تم میرے ساتھ ــــ تم کوئی پرانک (مذاق) کر رہی ہو؟“ اسے اب بھی لگ رہا تھا وہ ایک دم ہنسنا شروع کر دے گی‘ مگر وہ رو رہی تھی۔

”میں نے دیکھے تھے ــــ سب پیپرز دیکھے تھے‘ مجھے معلوم تھا ایگزام میں کیا آنا ہے۔“ مگر وہ اب بھی نہیں سمجھ رہا تھا۔

”ایسا نہیں ہو سکتا۔ تم ہیکنگ میں کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو‘ کسی بورڈ کا مین فریم ہیک نہیں کر سکتیں۔ تم کہہ کیا رہی ہو؟ پیپرز تو بورڈ کے چیئرمین تک کے پاس نہیں ہوتے‘ اتنی سخت سیکیورٹی ہوتی ہے۔“ وہ نفی میں سر ہلا رہا تھا۔ ”پیپر سیٹ کرنے والوں تک کو فائنل پیپر کو علم نہیں ہوتا‘ بورڈ کا کوئی اہلکار تک پیپرز نہیں دیکھ سکتا سوائے ــــ“ اور یہیں پہ وہ اٹکا۔ بے یقینی سے حنین کو دیکھا۔

”سوائے آفیسر کانفیڈنشل پریس (OCP) کے۔“ اس نے بھائی کا فقرہ مکمل کیا۔

”تم مذاق کر رہی ہو۔ ہے نا؟“ بالکل دنگ سا کھڑا وہ کپکپاتی آواز میں پوچھ رہا تھا۔ ”او سی پی ایماندار سے ایماندار شخص کو بنایا جاتا ہے۔ معزز‘ دیانت دار آدمی‘ کوئی او سی پی ایسا نہیں کر سکتا۔ مجھے پتا ہے تمہاری اس دوست کے ابو او سی پی ہیں‘ جو اسکول میں تھی تمہارے ساتھ‘ مگر او سی پی تمہیں پیپرز نہیں دکھا سکتا۔“ وہ اب بھی ذہنی طور پہ یہ قبول کرنے سے انکاری تھا۔ حنین نے دکھ بھری بھیگی آنکھوں سے اسے دیکھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں' انسان اپنے خاندان کے لیے کس حد تک جا سکتا ہے؟" اور آنسو پھر سے ٹپ ٹپ گرنے لگے۔ سعدی بے دم سا بیڈ کے پرلے کنارے پہ بیٹھا۔ حنین سے کافی دور۔ اس کی شل سی نظریں اس پہ جمی تھیں' جو اپنے گھٹنوں کو دیکھتی بتا رہی تھی۔

"حمیرا کے ابو اوسی پی ہیں' ان ہی کی وجہ سے حمیرا ہمارے بورڈ سے امتحان نہیں دے سکتی۔ جیسا کہ اصول ہے۔ حمیرا میرے پاس آئی۔ امتحانوں سے پندرہ دن پہلے' یہ وہ دن تھے جب میں شدید دباؤ میں تھی۔ آپ باہر تھے' اور میں سارا دن رات "کے" ڈرامے دیکھتی اور پھر یہ ڈیپریشن ہوتا کہ پڑھ نہیں رہی' مگر کتابوں میں دل ہی نہیں لگتا تھا۔ ایف ایس سی کے فرسٹ ایر میں قسم سے میں نے واقعی محنت کی تھی' اور بورڈ میں دوسرے ہائی ایسٹ مارکس تھے میرے۔ اب مجھے پوزیشن لینی تھی۔ انا تھی یا امی کو خوش کرنا تھا۔ وہ کہتیں اگر تم فیل ہوئیں تو تمہارا کمپیوٹر بند کروادوں گی۔ یہ مائیں غصے میں ہمیں ہماری پیاری چیز سے دور کرنے کی دھمکی کیوں دیتی ہیں ہمیشہ؟" ہتھیلی کی پشت سے گال رگڑا۔ سر جھکائے وہ بول رہی تھی اور وہ سانس روکے سن رہا تھا۔

"تب ہی حمیرا میرے پاس آئی۔ ساتھ میں اس کے ابو بھی تھے۔ میری کمپیوٹر skills(مہارت) کی شہرت دور دور تک تھی۔ لڑکیاں کام لے کر اکثر آتی ہیں' میں کبھی کرتی ہوں' کبھی نہیں۔ بدلے میں کچھ نہیں لیتی۔ بس تعریف بہت ہوتی ہے۔ حمیرا کو بھی کام تھا۔ اس کی بہن کی محلے کے کسی لڑکے سے دوستی ہو گئی تھی' لڑکے کے پاس اس کی ویڈیو تھی' ابو نے وہاں شادی سے انکار کر کے ایک معزز گھرانے میں رشتہ کروایا۔ مہینے بعد اس کی شادی تھی' مگر وہ لڑکا بلیک میل کرنے لگا۔ عین شادی کے روز ویڈیو کی تصاویر بنا کر فنکشن میں بانٹے گا' یہی کہا تھا اس نے۔ حمیرا میرے پاس آئی' درخواست کی کہ اس لڑکے کا سارا کمپیوٹر ڈیٹا مٹا دوں۔ کچھ کروں۔ تو... میں نے کہا کہ وہ اپنے ابو کو بھیجے' اکیلے۔ اگلی صبح اس کے ابو آئے۔

یہیں ڈرائنگ روم میں۔ امی اسکول میں تھیں' میں نے انہیں ادھر بٹھایا' ان کی بات سنی' وہ شرمندہ اور بے بس نظر آتے تھے' بولے کہ میں کیا کر سکتی ہوں؟ تو میں نے کہا۔"

اس کے آنسوؤں نے سارا منظر دھندلا دیا۔ اور اس دھند میں سے ایک پرانا منظر ابھرنے لگا۔

ان کا ڈرائنگ روم... صوفے پہ بیٹھے ادھیڑ عمر مگر معزز اور شریف سے فاروق صاحب' اور ان کے سامنے صوفے پہ ٹانگ پہ ٹانگ جما کر بیٹھی حنین۔ عینک لگائے' بال فرنچ چوٹی میں باندھے وہ سنجیدہ اور پرسکون نظر آ رہی تھی۔

"میں اس کا موبائل اور گھر کے تمام کمپیوٹرز وائرس ڈال کر انفیکٹڈ کر دوں گی۔ پھر اس کو پیغام بھیجوں گی کہ جن فلیش اور سی ڈیز میں تم نے وہ سب ڈال کر رکھا ہے' وہ خراب ہو چکی ہیں۔ حیران ہو کر وہ ان کو باری باری چیک کرے گا۔ یوں ہر شے Infected ہو جائے گی۔

چند گھنٹوں میں اس کا تمام ڈیٹا مٹ جائے گا۔ نہ صرف یہ بلکہ میں اس کے کمپیوٹر تک رسائی حاصل کر کے اس میں موجود اس کی بہنوں وغیرہ کی پکچرز لے لوں گی' پھر ان کے ذریعے اس کو بلیک میل کروں گی کہ اگر نازیہ باجی کے بارے میں کسی سے ایک لفظ بھی کہا تو میں اس کی بہنوں کی تصویریں فوٹوشاپ کر کے اسی کے محلے میں بانٹ دوں گی۔ اس کے بعد اس کی مجال نہیں ہو گی کہ وہ نازیہ باجی کو دوبارہ بلیک میل کر سکے۔"

وہ گویا سانس روکے سن رہے تھے۔ بمشکل سر اثبات میں ہلایا۔

"بیٹا! آپ یہ سب کر سکتی ہیں؟ واقعی؟ نارمل لوگ تو..."

"میں نارمل نہیں ہوں۔ میں حنین ہوں۔" وہ لحظے بھر کو رکی' ان کی آنکھوں میں دیکھا۔ "مگر آپ نے یہ سوچا ہے کہ اگر میں پکڑی گئی' یہ سائبر کرائم ہے آخر' تو میرا کیا ہو گا؟ بدنام بھی ہوں گی' اور جیل بھی ہو گی۔ زندگی تو برباد ہو جائے گی میری' سو اگر آپ کی بیٹی

کے لیے میں اتنا کچھ کرنے جارہی ہوں تو آپ کو بھی میرے لیے کچھ کرنا ہوگا۔"

"جی بتائیے' میں کیا کر سکتا ہوں؟" وہ آگے کو ہوئے۔

"آپ او سی پی ہیں' آپ کے پاس اگلے مہینے ہونے۔"

"ایک لفظ بھی اس سے آگے مت بولنا۔" وہ لال سرخ ہوتے ایک دم کھڑے ہوگئے۔ "سوچنا بھی مت کہ میں ایسا کچھ کروں گا۔"

"میں بورڈ ٹاپر ہوں' مجھے پیپرز نہ دکھائیں تب بھی دوسری پوزیشن لے لوں گی۔" وہ بھی ساتھ کھڑی ہوئی' ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر سختی سے بولی۔ "مگر مجھے پہلی لینی ہے' یہ میری عزت کا معاملہ ہے۔"

"میں ایسا کچھ بھی نہیں کروں گا۔" انگلی اٹھا کر سختی سے تنبیہہ کی۔ وہ تلخی سے مسکرائی۔

"تو پھر کسی اور ایکسپرٹ کے پاس جائیں اور اس سے کہیں کہ اس لڑکے کا ڈیٹا مٹا دے' مگر..... میرا ڈیٹا کیسے مٹائے گا کوئی؟ آپ شاید بھول رہے ہیں' وہ ویڈیو میرے پاس بھی ہے۔"

فاروق صاحب بے یقینی سے جھٹکا کھا کر دو قدم پیچھے ہٹے۔

"اور اس وقت بھائی! مجھے لگا میں نے اس شخص کو آدھا مار دیا ہے۔ ان کو قائل کرنا آسان نہیں تھا' مگر وہ مجبور ہوگئے۔ میں نے ان کا کام کر دیا اور انہوں نے میرا۔ میں نے یہ بھی کہا کہ رزلٹ آنے تک نازیہ کی ویڈیو تلف نہیں کروں گی' تاکہ وہ میری مخبری نہ کرواسکیں۔ مجھے پیپرز دے دیے انہوں نے' اور میں نے بورڈ ٹاپ کر لیا۔ مجھے کوئی گلٹ نہیں ہوا۔ رزلٹ والے دن ان کو کال کر کے کہا کہ ویڈیو میں نے تلف کر دی ہے' انہوں نے جواباً کچھ کہے بغیر فون رکھ دیا۔ اتنے مہینے گزر گئے مگر مجھے ایک دفعہ بھی گلٹ محسوس نہیں ہوا۔ جس نے وارث ماموں کو قتل کیا تھا' اسے بھی شاید ایک دفعہ تو دکھ ہوا ہوگا' میں تو اس سے بھی بری نکلی کہ مجھے تو لگا میں پیپرز دیکھے بنا بھی دوسری پوزیشن لے سکتی تھی' کوئی جرم نہیں کیا میں نے' مگر یہ سچ نہیں تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ یہ سچ نہیں تھا۔ میں اچھے نمبر لے لیتی' مر مر کر میرٹ پہ آجاتی مگر میں ٹاپ کبھی نہ کر سکتی کیونکہ مجھے ان کورین ڈراموں نے پڑھائی سے دور کر دیا تھا۔ علیشا کے خط نے مجھے بتایا کہ میں کتنی بُری ہوں۔ تب بھی میں نے سوچا' میں فاروق صاحب سے معافی مانگ لوں گی' اور بس۔ سو علیشا کے خط کے بعد میں نے ان کے گھر فون کیا' تو ان کی بیٹی نے بتایا' جس دن میرا رزلٹ آیا تھا اس روز میرا فون سننے کے بعد وہ اسٹڈی ٹیبل پہ گئے' اپنا استعفیٰ لکھا' دستخط کیے اور سر وہیں میز پہ رکھ دیا۔ حمیرا ان کو بلانے گئی مگر تب تک وہ مر چکے تھے۔ وہ مر گئے بھائی۔ برسوں اس نازک عہدے کی دودھاری تلوار پہ ایمان داری سے چلے تھے' ان کو میں نے کاٹ کر رکھ دیا۔ میں نے اس شخص کی جان لے لی۔ میں کون ہوں بھائی؟ میں کون ہوں؟"

وہ گھٹنوں پہ سر رکھے' روئے جارہی تھی۔ اور وہ سامنے' بالکل چپ بیٹھا تھا۔ بہت دیر بعد وہ ذرا سنبھلی' سر اٹھایا' ہتھیلی کی پشت سے گیلا چہرہ صاف کیا۔

"میں اب ایڈمیشن نہیں لوں گی۔ ہر گناہ توبہ سے معاف نہیں ہوجاتا۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے ہوتے ہیں۔ یہ مت کہنا میں دوبارہ امتحان دے دوں۔ میں ان کتابوں کو دوبارہ کھول بھی نہیں سکتی' پڑھنا تو دور کی بات۔" وہ ان پرزہ پرزہ کاغذوں کے مزید ٹکڑے کرنے لگی۔ پھر نظریں اٹھا کر بھائی کو دیکھا۔ وہ بالکل چپ تھا۔

"کچھ تو کہیں۔"

"مجھے تم سے کچھ نہیں کہنا۔" کہتے ہوئے وہ اٹھا' اور دبے قدموں سے چلتا ہوا باہر نکل گیا۔ حنین کا سر مزید جھک گیا اور بہتے آنسوؤں میں روانی آگئی۔ بڑے گناہوں کے بڑے کفارے۔

☼ ☼ ☼

قصر کاردار پہ سہ پہر سرما کی ٹھنڈ اور خنکی اندر

سموئے اتر رہی تھی۔ لاؤنج کی دیوار گیر کھڑکیوں کے پردے ہٹے تھے' باہر کی روشنی نے سارے لاؤنج کو روشن کر رکھا تھا۔ ملازم کاموں میں لگے آجا رہے تھے۔ ایسے میں اونچی کھڑکی کے آگے جواہرات کھڑی تھی۔ مغربی طرز کا سیاہ گھٹنوں تک آتا لباس اور سیاہ ٹائیٹس میں ملبوس' سینے پہ بازو لپیٹے' دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے بائیں کہنی پہ تسلسل دستک دیتی' اس کی شیرنی سی آنکھیں باہر جمی تھیں جہاں سبزہ زار پہ سعدی چل کر آتا دکھائی دے رہا تھا۔

آج اورنگ زیب کی وفات کو ساتواں روز تھا اور اس دوران وہ کئی دفعہ جواہرات کا حال پوچھنے آچکا تھا۔ مگر اس آخری ملاقات میں' وہ جواہرات کا اس کے سامنے اول فول بول دینا' وہ اس کا میری سے بات کرنا' وہ جواہرات کو ابھی تک چبھ رہا تھا۔

اور پھر اس کی تیکھی نظروں میں مزید ناگواری ابھری۔ سبزہ زار پہ چل کر آتا سعدی درمیان میں رکا۔ میری جوڑے اٹھائے گزر رہی تھی' اس کے مخاطب کرنے پہ رک کر اس سے بات کرنے لگی۔ جواہرات کو الفاظ اتنی دور سے سنائی نہیں دے رہے تھے' مگر اس کی بے چینی بڑھتی جا رہی تھی۔

"کیا اس کو اپنے گھر میں چین نہیں جو روز چلا آتا ہے۔" عقب میں نوشیرواں نے کہا تو وہ چونک کر پلٹی۔ وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا ناگواری سے کھڑکی کے پار سعدی کو دیکھ رہا تھا۔

"اب مجھے برا بھلا مت کہیے گا کہ میں نے آپ کے دوست کی شان میں گستاخی کر دی۔" ساتھ ہی اکتائے ہوئے انداز میں ہاتھ اٹھا دیے کہ وہ ڈانٹ سننے کے موڈ میں نہیں ہے۔ جواہرات چند لمحے اسے دیکھتی رہی' پھر مڑ کر کھڑکی کو دیکھا۔ نیچے کھڑے سعدی اور میری اینجیو ہنوز محو گفتگو تھے۔ میری کچھ کہے یا نہیں' جو وہ اس دن خود اتنا کچھ کہہ چکی' وہ بھی خطرناک تھا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو' اسے یہاں ہر وقت نہیں آنا چاہیے۔ تو پھر کیوں نہ اس کا اس گھر میں داخلہ بند کر دوں؟" چمکتی ہوئی آنکھوں سے مسکراتی وہ شیرو کی طرف گھومی۔ سات دن بعد وہ بالآخر سنبھلی ہوئی' پرانی والی جواہرات لگ رہی تھی۔

نوشیرواں نے حیرت سے اسے دیکھا۔ "آپ کیا کریں گی؟"

"جو میں کروں گی' وہ تمہارے بھائی کو معلوم نہیں ہونا چاہیے۔ سمجھے؟"

نوشیرواں کو چند لمحے لگے اس کا مطلب سمجھنے میں' اور پھر اس کا سر خود بخود اثبات میں ہل گیا۔ "سمجھ گیا۔"

"میرے ساتھ آؤ۔" وہ ایڑیوں پہ گھومی اور تیز تیز قدم اٹھاتی آگے چلتی گئی۔ اس کا رخ باہر کی جانب تھا۔ شیرو تیزی سے پیچھے لپکا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)